ہفت روزہ

خدام الدین لاہور

بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور

۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ
۱۵ جولائی ۱۹۶۶ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ○ لاہور

ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِصِیَامِ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ، وَرَکْعَتَیِ الضُّحٰی، وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَرْقُدَ" مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو میرے دوست نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ اور چاشت کی دو رکعت اور سونے سے قبل وتر پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے) (بخاری ومسلم)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: "یُصْبِحُ عَلٰی کُلِّ سُلَامٰی مِنْ اَحَدِکُمْ صَدَقَۃٌ، فَکُلُّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃٌ، وَکُلُّ تَحْمِیْدَۃٍ صَدَقَۃٌ، وَکُلُّ تَھْلِیْلَۃٍ صَدَقَۃٌ، وَکُلُّ تَکْبِیْرَۃٍ صَدَقَۃٌ، وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃٌ، وَنَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ، وَیُجْزِئُ مِنْ ذٰلِکَ رَکْعَتَانِ یَرْکَعُھُمَا مِنَ الضُّحٰی" رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک آدمی کے جوڑوں پر صدقہ صبح کرتا ہے (یعنی واجب ہے) سو ہر ایک بار سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر بار الحمد للہ کہنا صدقہ ہے اور ہر بار لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر بار اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے اور برائی سے منع کرنا اور روکنا صدقہ ہے اور ان سب کے مقابلہ میں چاشت کی دو رکعت جو پڑھی جائیں کفایت کر جائیں گی۔ (مسلم)

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی اَرْبَعًا وَیَزِیْدُ مَا شَاءَ اللّٰہُ، رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ کی چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا زیادہ پڑھ لیتے۔ (مسلم)

عَنْ اُمِّ ھَانِئٍ فَاخِتَۃَ بِنْتِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ: ذَھَبْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُّہٗ یَغْتَسِلُ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِہٖ صَلّٰی ثَمَانِیَ رَکَعَاتٍ وَذٰلِکَ ضُحًی، مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ وَھٰذَا مُخْتَصَرُ لَفْظِ اِحْدٰی رِوَایَاتِ مُسْلِمٍ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے بیان کرتی ہیں کہ میں فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ چنانچہ آپ کو غسل فرماتے ہوئے پایا۔ پھر جب آپ اپنے غسل سے فارغ ہو گئے۔ تو آپ نے آٹھ رکعت (نفل) پڑھے اور یہ ضحیٰ (چاشت) کی نماز تھی (بخاری ومسلم) اور یہ مسلم کی روایت میں سے ایک روایت کے مختصر الفاظ ہیں۔

ف: احادیث مندرجہ بالا سے صلوٰۃ ضحیٰ کی فضیلت ثابت ہے جو کہ اشراق اور چاشت دونوں کو شامل ہے اس لئے یہ نماز چاہے اول ضحیٰ میں پڑھ لی جائے جس کو اشراق کہتے ہیں۔ چاہے آخر ضحیٰ میں جس کو چاشت کہتے ہیں اور چاہے دو رکعت شروع میں اور دو رکعت اخیر میں جیسا کہ آئندہ باب خود اس کی وضاحت کر رہا ہے۔

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰہُ اَنَّہٗ رَاٰی قَوْمًا یُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰی فَقَالَ: اَمَا لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلٰوۃَ فِیْ غَیْرِ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ اَفْضَلُ! اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلٰوۃُ الْاَوَّابِیْنَ حِیْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ، رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک قوم کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ لوگ جانتے ہیں کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں نماز اس سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف کامل توجہ رکھنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے جب کہ اونٹوں کے بچے گرم ہو جائیں (یعنی آفتاب خوب بلند ہو جائے۔ (مسلم)

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا یَجْلِسْ حَتّٰی یُصَلِّیَ رَکْعَتَیْنِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی کوئی شخص مسجد میں آئے تو بیٹھے نہیں۔ یہاں تک کہ دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) پڑھ لے۔ (بخاری ومسلم)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ: "یَا بِلَالُ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَہٗ فِی الْاِسْلَامِ، فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْکَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّۃِ" قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ اَنِّیْ لَمْ اَتَطَھَّرْ طُھُوْرًا فِیْ سَاعَۃٍ مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَھَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِکَ الطُّھُوْرِ مَا کُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ، مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ، وَھٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ کہ اے بلالؓ! مجھ سے اپنے اس عمل کو بتاؤ جو سب سے زیادہ امید افزا ہو۔ اور تم نے اسلام میں اس کو کیا ہو، کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی ہے۔ بلالؓ نے عرض کیا۔ کہ میرے پاس اس سے زیادہ کوئی امید افزا عمل نہیں ہے کہ جب بھی میں نے طہارت حاصل کی رات دن کے کسی بھی حصہ میں تو اس طہارت سے میں نے نماز پڑھی۔ جس قدر کہ اللہ تعالیٰ *

* نے میرے لئے مقدر کی تھی۔ (بخاری ومسلم) اور یہ الفاظ حدیث بخاری کے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایڈیٹر
مناظر حسین نظر
ٹیلیفون
۶۷۵۴۵

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

سالانہ
گیارہ روپے
ششماہی
چھ روپے

جلد ۱۲ | ۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۵ جولائی ۱۹۶۶ء | شمارہ ۹

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم — اور ہم

ربیع الاوّل کا مقدس مہینہ ہر سال آتا اور اپنے پیچھے استقبال سے قطعی محروم گزر جاتا ہے — اس میں شک نہیں کہ لوگ رسمی اور خود ساختہ انداز میں اس ماہ مبارک سے طبعی لگاؤ اور تعلق کا مظاہرہ ضرور کرتے ہیں اور سرورِ کائنات فخر موجودات جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی اپنی دانست کے مطابق ہدیۂ عقیدت و محبت لازماً پیش کرتے ہیں۔ لیکن اپنی نادانی اور لاعلمی کی وجہ سے یہ بات یکسر بھول جاتے ہیں کہ ان تمام نمائشی تقریبات، جلوسوں اور اسراف و تبذیر کو اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ پھر اس دن کو "عید میلاد النبی" کا نام دینا خود اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ عیدین اسلام میں صرف دو ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ — ان کے علاوہ کوئی عید نہیں۔

کائنات میں سب سے اعلیٰ و افضل مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ مبارک ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ وہ زمین اور خاک کے وہ مقدس ذرات جو رحمتِ دو عالم، سیدِ دو عالم سرورِ دو عالم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر سے مَس ہو رہے ہیں ان کا درجہ عرشِ معلیٰ اور کعبہ مکرمہ سے بھی بلند و برتر ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرے منبر سے روضے تک کی زمین جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔ غرض جس زمین کا یہ مقام اور درجہ ہے اُس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:—

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا — میری قبر کو عید مت بناؤ۔

اب اندازہ فرمائیے۔ جس مقام کا درجہ عرشِ معلیٰ اور کعبہ سے بھی بلند و برتر ہے اور جہاں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ اقدس بنفسِ نفیس موجود ہے اُسے تو "عید" بنانے سے منع فرمایا گیا ہے مگر وہ دن جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کے عین کسی حال میں اور کسی طرح نہیں ہو سکتا اُسے عید بنانا جائز ہے؟ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

ظاہر ہے یہ دن جب بھی آئے گا اُسے وہ برکت، وہ عظمت اور وہ مقام حاصل نہیں ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عین یومِ ولادت اور اس گھڑی کو حاصل تھا جس میں کائنات کے ہادی اور ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروزِ عالم ہوئے تھے۔ پھر مزید حیرت اس بات پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت سوموار کے دن تو عید نہ کریں اور تاریخِ ولادت ۱۲ ربیع الاول کو عید منائیں — حالانکہ یوم الاثنین (سوموار کے دن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عبادت بھی کی ہے، روزہ رکھا ہے لیکن تاریخِ ولادت میں تو قطعاً کچھ منقول ہی نہیں ہے پس چاہیے تھا کہ اگر فرضی عید ہی منانا مقصود تھی تو ہر پیر کے دن عید منایا کرتے۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہوتا — جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ محض بناوٹی اور گھڑی ہوئی رسم ہے جس کی کوئی حقیقت اور اصل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ہماری دلیل کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ جلوس کے اشتہارات کے نیچے "بانیٔ جلوس عنایت اللہ قادری" لکھا ہوتا ہے۔ جو اب بھی زندہ ہے۔ اور محلہ سادھوآں کا ایک نوجوان ہے — "بانی" کا لفظ خود اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس جلوس کی داغ بیل "عنایت اللہ قادری" نے ڈالی ہے۔ اس سے پہلے جلوس وغیرہ کا کوئی وجود نہ تھا — چنانچہ ہم اس سلسلے میں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ جلوس اور اس کے مظاہر ایجادِ بندہ اگرچہ گندہ کا مصداق ہیں — اسلام میں، دورِ صحابہؓ میں اور اسلاف کے ہاں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔

ہمارا دعوےٰ ہے کہ دین کے کاموں اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں نفع ہی نفع اور اچھائیاں ہی اچھائیاں ہیں۔ جہاں دین کا کوئی فریضہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے مطابق کوئی کام کیا جائے وہاں انوار و برکات کا ظہور ہوتا ہے۔ رحمتِ خداوندی اس جگہ بارش کی طرح برستی ہے نیکیوں اور بھلائیوں کا دَور دَورہ ہوتا ہے اور برائیاں اور مفاسد منہ ڈھانپ کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جہاں رسومات اور بدعات کا ارتکاب ہو وہاں اللہ کا غضب بھڑکتا ہے، اُس کی لعنت برستی ہے، نیکی اور بھلائی وہاں سے رخصت ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ برائیاں اور مفاسد لے لیتے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مفاسد پیدا ہی بے دینی اور بدعات کی کوکھ سے ہوتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ چنانچہ اب دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ جو لوگ اس جلوس میلاد النبی کی قیادت کرنے والے تھے۔ اور جو اس کے جواز کے لئے دلیلیں فراہم کرنے میں سرتا پا منہمک نظر آتے تھے اس سال وہ بھی جلوس میں ہونے والی اخلاق سوز حرکات پر چیخ اٹھے ہیں۔ انہوں نے ایک مشترکہ بیان میں اس امر کا اعلان کیا ہے کہ جلوس میں جن افراد نے اخلاق سوز حرکات



۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۸۶ھ بمطابق ۳۰ر جولائی ۱۹۶۶ء

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت منانے کا صحیح طریقہ

حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ العالی

مرتبہ: خالد سلیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ : امّا بعد : فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم :
بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم :-

اللہ تعالیٰ کا احسان وشکر ہے۔ کہ اس نے ہمیں اپنا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہمیں ایمان واسلام کی دولت اور ذکر وعبادت کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نصیب ہوا۔ ہر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرتا پا احسان مند ہے۔ احسان شناسی کا تقاضا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں۔ ہمارا سارا پروگرام حیات سنتِ نبویؐ کے مطابق ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارا کردار، زندگی کا عمل، کاروبار، نشست و برخاست اور لین دین سب سنتِ نبویؐ کے خلاف ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کے موقعہ پر ہمیں چاہیئے تو یہ کہ ہم اپنی اصلاح کریں، اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کو دُور کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کا عہد و پیمان باندھیں۔ لیکن ہوتا اس کے برعکس ہے جلسے جلوس نکال کر۔ جھنڈیاں اور چراغاں کرکے دولت کا ضیاع کرتے ہیں۔ جو سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ اگر یہ جلسے جلوس نکالنے کا طریقہ پسندیدہ ہوتا اور نیکی کا عمل ہوتا تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ جلوس نکالتے۔ کیونکہ اُن سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کسی اور کو ہو نہیں سکتی وہ سب سے بڑھ کر حضورؐ کی پیدائش کی خوشی تھی۔ اگر یہ من گھڑت طریقہ جو آج کل رائج ہے۔ صحیح ہوتا تو ضرور صحابہ کرامؓ جھنڈیاں لگاتے، چراغاں کرتے یا اُن کے بعد آنے والے بزرگانِ دین سے یہ عمل ثابت ہوتا۔ لیکن تاریخ اور احادیثؐ سے بالکل ثابت نہیں۔ یہ سب من گھڑت ہے۔ اسی لئے آپ نے پڑھا ہوگا کہ اشتہاروں کے نیچے بانیٔ جلوس کا نام لکھا ہوتا ہے اور وہ بانی آج زندہ ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جلسے جلوس، جھنڈیاں لگانا اور چراغاں کرکے قوم کی دولت کو ضائع کرنا سب بعد کی رائج کردہ چیزیں ہیں اور ماضی قریب کی پیداوار ہیں ان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے ایمان کا خطرہ ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ (بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

اگر یہ جھنڈیوں اور چراغاں کرنے پر ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کرنے کی بجائے غرباء و مساکین اور یتامیٰ کی مدد کی جاتی، دینی مدارس کھولے جاتیں تو کیا ہی بہتر ہو۔ لیکن نہیں! لوگ تو دکھاوا چاہتے ہیں۔ جھنڈیاں اور چراغاں کرکے دولت کو ضائع کرنا نیکی سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دین میں نئی چیزیں نکالنا بدعت ہے۔ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ کو لے جانے والی ہے۔ بدعات پر عمل کرنے والے کی عبادت اکارت جاتی ہے۔

یومِ ولادت کے موقع پر ہونا یہ چاہیئے تھا کہ ہم اس دن اسلام کی اشاعت کرتے۔ حضورؐ کے اقوال و افعال اور احوال لوگوں کو سناتے۔ اپنے گناہوں کی معافی اللہ سے مانگتے اور اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کو دُور کرکے آئندہ نیک بن کر زندگی گزارنے کا عہد کرتے۔ پانچ وقت نماز پڑھ کر بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑاتے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں مانگتے۔ لیکن اُس دن ہوتا یہ ہے کہ نماز کی توفیق کی بات ہی کیا۔ اکثر نمازیوں کی نمازیں جلوس کی نظر ہو جاتی ہیں۔ جھنڈیاں اور چراغاں کرنے میں کئی کئی نمازیں فوت ہو جاتی ہیں۔ لیکن کوئی پرواہ نہیں کسی کو کوئی فکر و غم نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جو چیز اسلام کے خلاف دیکھو۔ اس کو ہاتھ سے روکو۔ اگر ہاتھ سے روکنے کی ہمت و طاقت نہیں۔ تو زبان سے منع کرو اگر اس کی بھی طاقت نہیں۔ تو اس برائی کو دل سے بُرا جانو اور یاد رکھو! یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

جو برائی کو دیکھ کر چپ رہتے ہیں اور روکتے نہیں وہ گونگے شیطان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں برائی کرنے والے اور دیکھ کر چپ رہنے والے دونوں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ صرف عذاب الٰہی سے وہی بچتے ہیں جو حق کی تبلیغ کرتے ہیں۔

آج دین میں نئی نئی چیزیں نکالی جا رہی ہیں۔ من گھڑت چیزوں کو دین کا جزو قرار دیا جا رہا ہے۔ قربانی جو سنتِ ابراہیمیؑ ہے کو کم کرنے کو کہا جا رہا ہے۔ حج کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں۔ بے حیائی اور عریانی کی تشہیر ہو رہی ہے۔ کلبوں، آرٹ کونسلوں اور سینماؤں کے ذریعے قوم کے اخلاق کو خراب کیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ہم پہ فرض ہے کہ ہم نیکی اور اخلاقِ حسنہ کی اشاعت کریں اور ہر بے حیائی اور بُرے کام سے لوگوں کو روکیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سچی بات نہ کہنے والے مجرم اور



۱۹ر ربیع الاوّل ۱۳۸۶ھ بمطابق ۸ر جولائی ۱۹۶۶ء

کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کو قتل کرنا بدترین گناہ ہے

حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ العالی

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: امّا بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم:
بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم:۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝ (پ ۵ س النساء آیت ۹۱)

ترجمہ: اور جو کوئی کسی مسلمان کو جان کر قتل کرے اُس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اُس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔

بزرگانِ محترم! آج جس اخبار پر نگاہ ڈالیں اُس میں قتل کی وارداتوں کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ کہیں پانچ قتل ہو گئے کہیں چھ۔ کہیں اس سے زیادہ کہیں اس سے کم۔ غرضیکہ قتلِ انسانی کی وارداتیں ملک میں اس قدر عام ہو گئی ہیں کہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ گھر کے گھر اور خاندانوں کے خاندان قتل کے مقدموں اور دشمنیوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ پھر جب کہیں ایک قتل کی واردات ہو جاتی ہے تو اس کے بعد دشمنی کی بناء پر قتل کی وارداتوں کا تانتا بندھ جاتا ہے اور عناد اور دشمنی کی آگ نسل در نسل پھیلتی رہتی ہے۔ طرفین کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مقدموں میں مال و دولت اور لڑائیوں میں خونِ انسانی پانی کی طرح بہایا جاتا ہے اکثر لوگ تختۂ دار پر لٹکائے جاتے ہیں۔ بعض کی زندگیاں جیلوں میں گذر جاتی ہیں اور نتیجہ سوائے ہلاکت و بربادی اور مفلوک الحالی کے اور کچھ نہیں نکلتا۔

آیتِ مذکورہ بالا میں قتلِ عمد کی اُخروی سزا کا تذکرہ کیا گیا ہے۔۔۔ جو ایک قاتل کو دنیوی سزا کے علاوہ ملے گی اور جو بہت ہی بڑی سزا ہے۔ دنیوی سزا اسلام نے اس کی قصاص مقرر کی ہے اور اخروی سزا یہ ہو گی کہ قاتل دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا، اس پر اللہ کا غضب اور پھٹکار ہو گی۔ اور یہ دائمی عذاب میں مبتلا رہے گا۔۔۔ مزید برآں یہ ایسا جرم بھی نہیں کہ کفارہ دینے سے رہائی ہو جائے۔

حاشیہ شیخ الاسلام رح

اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی سے نہیں بلکہ قصداً اور مسلمان معلوم کرنے کے بعد قتل کرے گا تو اس کے لئے آخرت میں جہنم اور لعنت اور عذاب عظیم ہے۔ کفارہ سے اس کی رہائی نہیں ہو گی۔

(ف) جمہور علماء کے نزدیک خلود (یعنی ہمیشہ جہنم میں رہنا) اُس کے لئے ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے۔ کیونکہ اس کے کفر میں شک نہیں یا خلود سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں رہے گا یا وہ شخص مستحق تو اسی سزا کا ہے (کہ ہمیشہ جہنم میں رہے) آگے اللہ مالک ہے جو چاہے کرے۔ واللہ اعلم۔

ارشادِ نبوی ؐ

صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی مسلمان کا جو اللہ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو خون بہانا حلال نہیں۔ مگر تین حالتوں میں۔ ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو، دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو، تیسرے دین اسلام کو چھوڑ دینے والا جماعت سے فرقت کرنے والا یعنی مرتد ہو۔

لیکن یہاں یہ بات یاد رہے کہ جب ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کسی سے واقع ہو جائے تو شریعت نے رعایا میں سے کسی کو اُس کے قتل کا اختیار نہیں دیا۔ امام یا نائب امام کا کام ہے کہ وہ حد لگائے۔

حاصل

یہ نکلا کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ وہ کسی حال میں بھی اپنے مسلمان بھائی کا خونِ ناحق کرے اور اگر کوئی مسلمان اس جرم کا مرتکب ہوا اور اس نے اپنے اس فعل بد کو حلال سمجھا تو وہ جہنم کے دائمی عذاب کا مستوجب ہو گا اور اس پر اللہ کا غضب اور پھٹکار ہو گی

اندازہ فرمایئے! مسلمان کے قتل پر کس سختی اور تاکید سے وعید فرمائی جا رہی ہے اور پھر یہ وہ جرم ہے جسے حق تعالےٰ شانہٗ نے شرک جیسے بدترین گناہ سے ملا دیا ہے۔۔۔ ارشادِ باری ہے:۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔

یعنی مسلمان بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہرا کر نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ج وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○

(پ ٨ ـ س الانعام آیت ١٥١)

ترجمہ: کہہ دو۔ آؤ میں تمہیں سنادوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے یہ کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔ اور تنگدستی کے سبب سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں اور انہیں رزق دیں گے اور بے حیائی کے ظاہر اور پوشیدہ کاموں کے قریب نہ جاؤ۔ اور ناحق کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے۔ تمہیں یہ حکم دیتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ۔

خلاصہ

یہ ہے کہ اس آیت سے پانچ چیزوں کا حرام ہونا ثابت ہوا۔ (١) خدا کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا (٢) والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنا۔ (٣) قتل اولاد۔ اسقاط، برتھ کنٹرول، خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ (٤) سب بے حیائی کے کام مثلاً زنا، ترغیب زنا، عریانی وغیرہ (٥) اور کسی شخص کو ناحق قتل کرنا۔

غرض

آیتِ مذکورہ میں بھی اللہ کے حرام کئے ہوئے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے شرک اور قتل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب قتل عمد کے متعلق احادیث نبویہ کی شہادتیں ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی شہادت

مسلم اور بخاری میں ہے کہ سب سے پہلے قیامت کے دن خون کا فیصلہ ہوگا۔

دوسری شہادت

ابوداؤد میں ہے کہ ایماندار نیکیوں اور بھلائیوں میں بڑھتا رہتا ہے جب تک کہ خونِ ناحق نہ کرے۔ اگر ایسا کر لیا تو تباہ ہو جاتا ہے

تیسری شہادت

حدیث میں ہے کہ ساری دنیا کا زوال خدا کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم درجہ کا ہے۔

چوتھی شہادت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تمام زمین کے اور آسمان کے لوگ کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالےٰ سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے۔ (ان کی کوئی پرواہ نہ کرے)

پانچویں شہادت

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل پر آدھے کلمہ سے بھی اعانت کی وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص خدا کی رحمت سے محروم ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جس نے مومن کو قصداً قتل کیا اس کی توبہ ہی قبول نہیں۔ تاہم اس سلسلے میں کہ قاتل کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اگر قاتل توبہ کرلے، خدا کی طرف رجوع کرے، خشوع و خضوع میں لگا رہے، نیک اعمال میں مشغول ہو جائے تو اللہ جل شانہٗ اس کی توبہ قبول فرما لیں گے اور مقتول کو اپنے پاس سے عوض دے کر اسے راضی کرلیں گے۔

یہ نقطہ نگاہ رکھنے والے جمہور سلف و خلف کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ ... الخ

یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ کا احتمال ہی نہیں۔ اور اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں اور مومنوں کے بارے میں خاص کرنا یہ ظاہر کے خلاف ہے اور کسی صاف دلیل کا محتاج ہے۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حق تعالیٰ سبحانہٗ و جل برہانہٗ کا فرمان ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ

کہہ دیجئے! اے میرے وہ بندے جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔ چنانچہ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر گناہ کو شامل ہے۔ خواہ کفر و شرک ہو، خواہ شک و نفاق ہو، خواہ قتل و فسق ہو۔ خواہ کچھ ہی ہو جو اللہ جل شانہٗ و عز سبحانہٗ کی طرف رجوع کرے اللہ تعالےٰ اُس کی طرف مائل ہوگا۔ اور جو صدقِ دل سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا۔

بہرحال اس تصریح و اختلاف رائے کے باوجود یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ قتل انسانی بدترین گناہ ہے اور اس کی شدید ترین سزا آخرت میں دی جائے گی۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو اس گناہ سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین یا الٰہ العالمین!

بزرگانِ محترم! اخیر میں ایک گذارش کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں ــــ کہ شریعت اسلامیہ نے یہاں قتل کی سزا قتل رکھی ہے اور حد لگانے کا اختیار حاکم و قاضی کو دیا ہے۔ اور آخرت کی سزا اس پر مستزاد ہے۔ تو بعض ناعاقبت اندیش یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے جرموں کی بہت سنگین رکھی ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو دراصل وہ جرم ہی اس قدر سنگین سزا چاہتے ہیں۔ اس سے کم سزا دینا لوگوں میں جرم کو معمولی بنا دینے کا سبب ہوگا ــــ علاوہ ازیں مقصد تو جرائم کا انسداد اور قلع قمع ہے نہ کہ سزا کو محض مذاق اور مشغل بنا دینا ــــ اور آج کل یہی ہو رہا ہے کہ سزایاب مجرم مزید جرم کرتے ہیں۔ نہ ان کی اصلاح ہوتی ہے نہ دوسروں کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔ نتیجۃً جرائم بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو شریعت اسلامیہ کی تابعداری کی توفیق عطا فرمائے اور گناہوں سے بچنے کی ہمت دے۔ آمین یا الٰہ العالمین!

وما علینا الا البلاغ المبین

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کا واہ کینٹ میں

درسِ قرآن

منعقدہ ۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء

مرتبہ
محمد عثمان غنی

تو اس زمانے میں جسے کہ انگریز نے غدر کا نام دیا ــــ دھوکا ــــ بھائی ہم نے دھوکا کیا ہے۔ یا ان بے ایمانوں نے دھوکا کیا ہے؟ یعنی ۱۸۵۷ء کی جو جنگ ہوئی ہے اس میں دھوکا انگریز نے کیا ہے یا ہم نے کیا ہے؟ یہ بے ایمان آیا تجارت کے بہانے سے اور ہندوستان پر دو سو سال تک حکومت کر گیا، ہمارا خون بھی چوس کر چلا گیا۔ دھوکا باز تو یہ تھا نہ کہ ہم۔ انگریز مورخ نے اس جدوجہد کو غدر کا نام دیا اور ہم بھی کہتے ہیں کہ غدر ہے (لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ) غدر کیسے ہوا؟ وعدہ شکنی کیسے ہوئی؟ مسلمان تو اپنی آزادی کے لئے لڑے، مسلمانوں نے کہہ دیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے اور ہم اپنی آزادی کے لئے لڑیں گے چنانچہ مسلمان لڑے۔ مسلمان شہید ہوئے، بظاہر مسلمانوں کو ناکامی حاصل ہوئی لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ سو ڈیڑھ سو سال کے بعد انگریز ہندوستان سے نکلا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آزادی نصیب کی اور اس کے نتیجے میں پاکستان جیسی عظیم سلطنت کا مالک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بنا دیا۔ یہ سب ان حضرات کی برکتیں ہیں اور ان کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ اس کے اور بھی نتائج ہمیں ملیں اور ان کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

میں بات یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اَلْحَیُّ اور اَلْقَیُّوْمُ ط ہیں ــــ زندگی دینے والا، تھامنے والا۔ جسے اللہ تعالیٰ زندگی دے، کوئی مار نہیں سکتا۔ جسے اللہ تعالیٰ مارے کوئی زندگی نہیں دے سکتا۔ (یہ سب درسِ قرآن ہے)۔ اس زمانے میں جب مقدمہ چلا حضرت مولانا محمد جعفر تھانیسری اور چند دیگر علمائے حق پر انبالے کی عدالت میں۔ انبالے کی عدالت نے آپ کو سزائے موت کا حکم دیا۔ ایک کتاب چھپی ہوئی ہے "کالا پانی"۔ اب بھی ملتی ہے تیسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے، بڑی اچھی کتاب ہے، پڑھنی چاہیئے، اپنے بزرگوں کے حالات پڑھا کریں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر اللہ کے دین کو بچایا، ان کی باتوں کو پڑھنا بہت زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔

جب سزا ملی، اور جج نے حکم دیا کہ میں آپ کو موت کا حکم دیتا ہوں تو مولانا ہنس پڑے۔ وہ انگریز جج بڑا غصے ہوا کہ میں موت کا حکم دے رہا ہوں اور آپ ہنستے ہیں فرمایا میں تیری حماقت پر ہنستا ہوں۔ (آپ اندازہ لگائیں ذرا ان کچہریوں کا جہاں انگریز حاکم ہوں، جلاد اور صیاد حاکم ہوں تو کیا حال ہوگا اس رعب کا اس غصے کا۔ مگر مومن کے دل میں جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط راسخ ہو جاتا ہے تو پھر اس کے دل میں کسی فانی طاقت کا رعب باقی نہیں رہتا)

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے کہ ۱۹۱۳ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک جہاد کی زندگی گذاری اور آدمی بھی مجاہد ہی تھے (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو پرنور فرمائے) انہوں نے لکھا اپنی ذاتی ڈائری میں جو چھپ چکی ہے، چھپی ہوئی ملتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں جب سب سے پہلے بیعت ہوا اپنے شیخ سے سندھ میں تو انہوں نے مجھے جب طریقہ قادریہ راشدیہ کی تلقین فرمائی، (یہ ہمارے بعض بھائی جو ذکر کے ساتھ تمسخر اور مذاق کرتے ہیں وہ سوچیں کہ جب تک اللہ کا ذکر حاصل نہ ہو کچھ بھی نہیں حاصل ہو سکتا۔

جز بیادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سرِ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

عبید اللہ سندھی جیسے دنیا کے لوگ بہت بڑا مفکر تسلیم کرتے ہیں، جن کا نام تمام اقوام عالم میں گونجا ہوا ہے ــــ اس وقت بھی یہ عبید اللہ سندھی آپ جانتے ہیں کون تھے؟ ان کے باپ سکھ تھے۔ اور یہ خود بھی سکھ تھے۔ سکھ سے مسلمان ہوئے ہیں نو مسلم ــــ جب بیعت کی حضرت شیخ کے ہاتھ پر اور انہوں نے طریقۂ قادریہ راشدیہ کی تعلیم فرمائی تو فرماتے ہیں کہ پہلے ہی سبق سے میرے دل سے غیر اللہ کا خوف نکل گیا۔ پہلی ہی دفعہ جب حضرت شیخ نے مجھے سکھایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط تو میرے دل سے غیر اللہ کا خوف نکل گیا۔ غیر اللہ کا خوف تو جب رہتا ہے جب اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق نہیں ہوتا۔ اللہ کے ساتھ تعلق ہو تو پھر غیر اللہ کا خوف باقی نہیں رہ سکتا۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرت مولانا محمد جعفر تھانیسری اور ان کے دوسرے ساتھی ہنس پڑے تو مجسٹریٹ نے جو انگریز تھا کہا کہ میں آپ کو موت کا حکم سناتا ہوں اور آپ ہنستے ہیں۔ فرمایا میں تیری حماقت پر ہنستا ہوں۔ تیری اس بات سے مجھے ہنسی آتی ہے کہ میری زندگی اور میری موت تیرے قبضے میں نہیں ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ میں زندہ رہوں اور تو مر جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان لوگوں کو جن کو پھانسی کا حکم دیا گیا تھا کچھ دنوں کے انتظار کے بعد انگلینڈ سے حکم آیا کہ اب مسلمانوں کو اور قتل کرنا چھوڑ دو ہم کافی بدنام ہو چکے ہیں۔ ان کو عبورِ دریائے شور کی سزا دو، کالے پانی بھیج دو چنانچہ ان کی سزا کو یوں منسوخ کیا خود بخود حکومتِ وقت نے اور وہی انگریز مجسٹریٹ جس نے مولانا کو حکم دیا تھا کہ آپ کو میں موت کی سزا دیتا ہوں، پاگل ہوا اور اس کو اس کے بیٹے نے پستول سے ہلاک کر دیا۔ مولانا لکھتے ہیں جس وقت انبالے کے ریلوے سٹیشن پر ہم گاڑی میں سوار ہو رہے تھے کالے پانی جانے کے لئے تو ریلوے سٹیشن پر مجھے پتہ چلا کہ وہ مجسٹریٹ جس نے مجھے موت کا حکم دیا تھا اپنے بیٹے کے ہاتھوں رات کو ہلاک ہو چکا ہے۔

تو اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے میرے بزرگو اور دوستو حی القیوم مان لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مالیات کا مسئلہ سمجھایا کہ دیکھو مال کے چکر میں مت پڑو۔ مال تمہارے لئے ذریعۂ معاش ہے لیکن اس مال میں قوت، اس مال میں برکت، اس مال میں اثر پیدا کرنے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ ہے مال حاصل کرو، مال سے فائدہ اٹھاؤ لیکن یہ ساتھ ضرور دیکھو کہ جس نے تمہیں مال بخشا ہے وہ تم سے کہیں ناراض تو نہیں ہو رہا۔ تمہارے ہاں جو مال آنے کا طریقہ اور ذریعہ ہے وہ کسی اور کی بددعائیں تو لے کر نہیں آ رہا۔

میرے دوستو اور میرے بزرگو سچ یہ ہے آپ دل میں سوچ لیں کہ ایک بھائی (اللہ تعالیٰ سب کو حرام کھانے سے بچائے) اگر کسی یتیم کا مال غصب کرتا ہے تو وہ یتیم بد دعا نہیں کرے گا؟ یہ خوش ہوتا ہے کہ میں نے اپنی کوٹھی بنا لی، کار لے لی، مزدوروں کی رقم اس میں آگئی، غریبوں کے پیسے آ گئے، رشوت کے پیسے آ گئے، بیگانہ مال آگیا۔ تو جہاں کئی انسانوں کے ہاتھ کھڑے ہوں بد دعا کے لئے تو بھائی اس مال میں برکت کیسے پیدا ہوسکتی ہے، اس لئے تو فرمایا اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ اے مسلمان مظلوم کی بددعا سے بچ اس لئے کہ مظلوم کی بددعا کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ یہ براہِ راست اللہ کے حضور پہنچتی ہے۔ ؎

بترس از راہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

مظلوم کی بد دعا سے بچ ——— مظلوم کون ہے؟ مظلوم وہی ہے جس کا مال غصب کیا جائے اور اسی ضمن میں قرآن مجید نے بڑی تاکید فرمائی خصوصیت سے میرے بزرگو یتامیٰ کے ساتھ، بیکسوں کے ساتھ۔ اسلام پہلا دین ہے جس نے صحیح طور پہ یتیموں کی پرورش کی جس نے صحیح طور پہ بیکسوں کی تربیت کی جس نے صحیح طور پر نظام کو قائم کیا۔ مجھے بتا دیا دیا جائے کہ آج دنیا میں کون سا وہ نظام ہے جو اسلام سے بہتر ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

ہم خود اسلام کو چھوڑ بیٹھے ہیں، قرآن کو صرف دیکھ کر پڑھ لیتے ہیں (وہ بھی کوئی سعادت مند)۔ اللہ تعالیٰ آپ بھائیوں کی اس محنت کو قبول فرمائے کہ آپ میں یہ شوق ہے قرآن سننے کے لئے آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اپنی رحمتوں سے نوازے اور قرآن بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے ورنہ آج دیکھئے کون ہے قرآن سننے والا۔ کون ہے قرآن پر عمل کرنے والا؟ جب ہم خود ہی نہ کریں تو بیرونی لوگ پھر کیا عمل کریں گے۔

قرآنِ کریم کی سورتِ نساء کے اس آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے مالی نظام کے متعلق اپنے ارشادات فرمائے لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ص لِلرِّجَالِ۔ مردوں کا۔ نَصِیْبٌ ۔ ایک خاص حصہ ہے۔ مِمَّا۔ ہر اس چیز سے تَرَکَ الْوَالِدٰنِ۔ جس کو چھوڑ کر مر جائیں ماں باپ۔ وَالْاَقْرَبُوْنَ ص۔ اور بہت قریبی رشتے دار۔ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ۔ اور عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ مِمَّا۔ ہر اس چیز سے۔ تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ص جس کو چھوڑ کر مر جائیں ماں باپ اور بہت قریبی رشتے دار۔ مِمَّا قَلَّ مِنْہُ اَوْ کَثُرَ ط۔ ہر اس چیز سے جو تھوڑی ہو یا زیادہ ہو۔ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ یہ حصہ رب العالمین کی طرف سے فرض کیا جا چکا ہے۔

پہلے فرمایا کہ یتیموں کے مال نہ کھاؤ۔ اب یتیموں کے مال مقرر کئے۔ جب کوئی آدمی مر جاتا ہے اس کی اولاد کوئی بالغ ہوتی ہے کوئی نابالغ ہوتی ہے ویسے یتیم کا لفظ بالغ پر نہیں بولا جاتا۔ لفظِ یتیم اصطلاحی طور پر اسی پر بولا جاتا ہے جو نابالغ ہو۔ لڑکا ہو یا لڑکی ہو۔ لڑکی کو یَتِیْمَۃٌ کہتے ہیں اور لڑکے کو یَتِیْمٌ کہتے ہیں اور جمع دونو کی یَتٰمٰی آتی ہے۔ لفظ یَتٰمٰی میں یتیم لڑکے بھی آ گئے اور لفظ یَتٰمٰی میں یتیم لڑکیاں بھی آ جاتی ہیں۔ تو میرے دوستو اور میرے بزرگو جب باپ مر گیا۔ اب چھوٹے بچے اور بڑے بچے، چھوٹی بچیاں اور بڑی بچیاں رہ گئیں۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ اولاد کچھ بالغ ہوتی ہے کچھ نابالغ ہوتی ہے۔ کبھی اولاد میں سے مرد ہی مرد ہوتے ہیں کبھی عورتیں ہی عورتیں ہوتی ہیں اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کچھ بیٹے ہو گئے کچھ بیٹیاں ہو گئیں۔

اسلام سے پہلے اور اِس وقت بھی بعض ادیان میں قانوناً یہ بات ہے کہ جو بڑا بیٹا ہوتا تھا اس کو بہت مال مِل جاتا تھا یا سارا مال مل جاتا تھا۔ جو لڑنے والے ہوتے تھے وہ مال لے جاتے تھے اور جو نہیں لڑ سکتے تھے وہ مال سے محروم رہ جاتے تھے اور بیٹیوں کا تو نام و نشان ہی نہ تھا۔ آج ہماری بعض بچیاں بھی اسلام کے خلاف لب کشائی کر دیتی ہیں حالانکہ سب سے بڑا محسنِ نسوانیت اسلام ہے۔ دنیا میں کوئی مذہب عورتوں کا خیرخواہ نہیں جس نے عورتوں کو عصمت دی ہو جس نے عورتوں کو ستر دیا ہو جس نے عورتوں کو حیا دی ہو جس نے عورتوں کو ایمان دیا ہو جس نے عورتوں کو مال دیا ہو۔ بتائیں کوئی دنیا میں اور مذہب ہے۔ یہ کیا عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہے؟ عورتوں کو بر سرِ بازار نچا لیا۔ عورتوں کے چہروں کو ننگا دیا، عورتوں سے اپنی اغراضِ نفسانی پوری کروا لیں، یہ عورتوں کے حقوق ہیں؟ عورتوں کے حقوق تو یہ ہیں کہ ان کو گھر کا مالک قرار دیا جائے، عورتوں کا حق تو یہ ہے کہ ان کو مالِ وراثت دیا جائے، عورتوں کے حق تو یہ ہیں کہ ان کو ماں سمجھ کر احترام کیا جائے، بہن سمجھ کر احترام کیا جائے، بیٹی سمجھ کر پیار کیا جائے۔ یہ عورتوں کے حقوق ہیں بتائیے اسلام کے برابر محسنِ انسانیت کوئی اور مذہب ہے دنیا میں؟ یہ ہمارے قریب کا ملک جسے بھارت کہتے ہیں جو بھارتی درندے پاکستان کے خلاف آج اپنے دانت تیز کر رہے ہیں (اللہ تعالیٰ اِن کے مکروں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے) میرے دوستو اور بزرگو آپ تو لکھے پڑھے دوست ہیں، مجھ سے بہتر آپ جانتے ہیں۔ یہ ہندو۔ اِن کے ہاں کیا رسم تھی؟ جب کسی کا خاوند مر جاتا تھا تو بیوی بھی ستی ہو جاتی تھی اپنے خاوند کے ساتھ زندہ جلا دی جاتی تھی۔ اس رسمِ بد کو سب سے پہلے اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے مٹایا۔ آج ہندوستان کی کروڑہا عورتیں اورنگ زیب کا یہ احسان نہیں بھلا سکتیں۔ اگر ہندوستان میں اسلام نہ آتا تو آج تک یہ عورتیں خاوندں کے ساتھ جلتی رہتیں۔ اورنگ زیب نے اس رسمِ بد کو قرآن کی روشنی میں مٹایا۔ قرآن نے صاف آ کر کہہ دیا۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِہِنَّ اَرْبَعَۃَ اَشْہُرٍ وَّعَشْرًا ط جب خاوند مر جائے تو بیوی صرف چار ماہ دس دن تک انتظار کرے اور خاوند کا سوگ منائے۔ چار ماہ دس دن کے بعد بیوی آزاد ہے۔ دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کرنا چاہے۔ تو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ تو بتاؤ اسلام نے حق دیا عورتوں کو یا کسی اور نے؟ دوسرے دینوں میں تو یہ تھا کہ عورت جل جائے۔ اسلام نے کہا کیوں جلے؟ وہ تو اپنی موت مرا ہے۔ یہ چار ماہ دس دن انتظار بھی اس لئے کرے کہ وراثت کا مسئلہ ہے۔ (یہ میں پھر کہیں عرض کروں گا۔ کہ یہ چار ماہ دس دن کیوں عدتِ وفات مقرر کر دی گئی۔ جب کہ عدت طلاق تین مہینے ہے۔) تو عورتوں کو حق اسلام نے دیئے۔ سب سے پہلے چنانچہ اس آیت میں بھی قرآن نے فرمایا کہ چھوٹے ہوں کہ

باقی صفحہ ۱۶

ارشاداتِ مجالسِ ذکر

از: حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ —— مرتبہ: محمد مقبول عالم بی، اے - لاہور

نہیں ملتے یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

۱۸ر اگست ۱۹۴۹ء جمعرات

ذکرِ دائم

اللہ کے ذکر میں ہر وقت شاغل رہنا چاہئے۔ اللہ والے یہی سکھاتے ہیں۔ کہ چلتے ہیں تو دائیں قدم پر اللّٰہ اور بائیں قدم پر ھُوْ کہتے ہیں۔ اس طرح چلتے چلتے بھی ذکر کرتے ہیں —— بلکہ قضائے حاجت وغیرہ کے وقت بھی غافل نہ رہیں۔ اگرچہ ان اوقات میں زبان سے ذکر نہیں کیا جائے گا قلب سے ذکر کیا جائے گا۔ سو کوئی دم غفلت میں نہ گزرے۔

۲۵ر اگست ۱۹۴۹ء جمعرات

میرے خلفاء

جس پر اللہ تعالےٰ کا فضل ہو، اس سے اپنے دین کی خدمت لیتا ہے۔ مجھ سے زیادہ عالم بھی لاہور میں ہیں لیکن اُنہیں لگاتار قرآن کا درس دینے کی توفیق نہیں ہوئی۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تلاوتِ آیات، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت ہے اسی طرح تزکیۂ نفوس بھی ہے۔ تطہیر ظاہری صفائی کو کہتے ہیں۔ اور تزکیہ باطن کی صفائی کو کہتے ہیں کہ امراضِ روحانی نکل جائیں۔ انانیت، جاہ طلبی، زر طلبی، عُجب، تکبّر وغیرہ نہ رہیں۔ اللہ تعالےٰ نے مجھ سے جہاں قرآنِ حکیم کی خدمت لی۔ وہاں اللہ اللہ سکھانے کی خدمت بھی لی۔ مجھے حضرت امروٹی رح اور حضرت دین پوری رح دونوں نے اجازت دی تھی۔ یہ دونوں تمہارے دادا روحانی ہیں۔

آج میں یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ شیخ کی وفات کے بعد وہ لوگ جن کی تکمیل نہیں ہوئی ہوتی اور ابھی کچے ہوتے ہیں، انہیں بہت تکلیف ہوتی ہے اور کبھی وہ کسی غلط ہادی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیتے ہیں۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ ہاں اگر شیخ کے بعد اُس کے کسی مجاز سے تعلق قائم کر لیا جائے۔ تو پھر تکلیف نہیں ہوتی۔ وہ اُسے آگے چلائے گا۔

میرے حضرت کے پانچ خلیفے تھے۔ چار کو میں جانتا ہوں۔ حضرت مولانا عبدالعزیز ان میں سے ہیں —— تو حضرت کے وصال کے بعد جماعت ان مجازوں سے متعلق ہو گئی۔ بہت ساری جماعت مجھ گنہگار کے ساتھ بھی متعلق ہے جسے کسی کے ساتھ لگاؤ تھا۔ وہ اُسی کے ساتھ متعلق ہو گیا۔ میرے حضرت نے مجھے اجازت دی تھی کہ میں اللہ اللہ سکھایا کروں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ اجازت دی نہیں جاتی بلکہ لے کر دی جاتی ہے —— آخری ملاقات تھی، تو فرمایا کہ "ونج بیٹا! میں تیرے لئے دن رات دعا کرتا ہوں۔ میں نے پاؤں پر ہاتھ رکھ کر چُومے اور آنکھوں پر لگائے اور رخصت ہوا۔ پندرہ دن کے بعد حضرت فوت ہو گئے۔

غرض میں نے گذشتہ حج کے موقع پر مسجد خیف میں استخارہ کیا اور اپنے چار عزیزوں کے متعلق اجازت طلب کی، تو اللہ نے مجھے دے دی کہ میں انہیں مجاز ٹھہراؤں۔ ان میں ایک مولانا عبدالعزیز ہیں جو پہلے مسجد نور میں تھے اب منٹگمری میں ہیں اڑھائی منزلہ مسجد بنوائی ہے۔ دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ انہیں اپنی جالندھر والی متروکہ زمین کے عوض خانیوال میں زمین ملی ہے۔ میں نے انہیں حکم دیا کہ اسے چھوڑ دیں اور جس طرح اللہ نے پہلے رزق دیا ہے، ویسے ہی پھر دے گا۔ اور دین کی خدمت یکسو ہو کر کریں۔ تو انہوں نے میرے کہنے پر زمین چھوڑ دی۔

دوسرے حضرت مولانا ابوالحسن ندوی ہیں۔ جو لکھنؤ میں ہیں۔ انہیں میں شاہی مسجد میں بٹھا کر ذکر کرایا کرتا تھا یا دریا پر خلوت میں بھجوایا کرتا تھا۔ وہ بھی کامل ہیں اور دین کی خدمت کر رہے ہیں۔

تیسرے مولوی بشیر احمد پسروری ہیں۔ پہلے انجمن کے ملازم تھے۔ اب متوکلاً علی اللہ دین کی خدمت کرتے ہیں۔ حج سے آنے کے بعد میں نے انہیں بلایا اور اجازت دی۔

چوتھے مولوی حبیب اللہ میرے بڑے لڑکے ہیں۔ انہیں اگرچہ میں پہلے ہی اجازت دے چکا تھا۔ لیکن اپنے بعد بیشتر قاری ابراہیم کو ذکر کرانے کے لئے کہتا تھا اور اسے نہیں کہتا تھا کہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ بیٹے کو گدی دے رہے ہیں۔ حبیب اللہ میرا بڑا ادب کرتا ہے۔ گھر میں کبھی میری طرف پیٹھ نہیں کرتا۔ جوتا سیدھا کر دیتا ہے۔ پچھلے سال حج پر گیا میں نے ایک پیسہ نہیں دیا۔ سارا سال وہاں رہا میں نے کوئی پیسہ نہیں بھیجا۔ اب بھیجے ہیں جو حج پر ملیں گے۔ اللہ کا اس پر بڑا فضل ہے اور بڑی برکت ہے۔ ماشاءاللہ پڑھیں کہ اللہ تعالےٰ اُسے نظرِ بد سے بچائے۔

مجھے پتہ نہیں کہ میری عمر کتنی ہے۔ ۶۴ سال کی عمر ہو گئی ہے۔ میں دس سال کا تھا کہ اپنے حضرت سے بیعت کی تھی ۵۴ سال ہو گئے ہیں۔ سو میرے بعد اگر ضرورت ہو تو ان حضرات سے تعلق قائم کرنا اور تکمیل کروانا۔

مجھے جو کچھ ملا ہے میں قبر میں لے جانا نہیں چاہتا، بلکہ اُسے دینا چاہتا ہوں جو اہل ہو اس لئے پوچھا کیجئے کہ آگے بتائیں اگر میں سمجھوں گا کہ پچھلا سبق پک گیا ہے تو آگے بتاؤں گا۔ خاموش نہ رہیں۔

مولانا عبدالعزیز کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ایک دفعہ آدھی رات کو میرے حضرت نے ایک سید صاحب کو جو مرید تھے جگایا اور کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر فلاں زمیندار کو ابھی یہ پیغام دے آؤ۔ اس نے کہا کہ صبح ہوتے ہی میں جاؤں گا — پاس مولانا عبدالعزیز تھے ان سے کہا —— عبدالعزیز! تم جاؤ گے؟ بولے ہاں ابھی

مولانا جمیل احمد میواتی

مخدوم سائیں توکّل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ :

ذیل میں حضرت سائیں توکّل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ کا سوانحی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ جہاں حضرات اہل اللہ کا تذکرہ ہو وہاں رحمتِ خداوندی متوجہ ہوتی ہے، سکینہ نازل ہوتی ہے۔ اس قسم کے تذکرے کرنا، لکھ کر پیش کرنا رضائے حق تعالےٰ جل شانہٗ کے حصول کا ذریعہ ہے اور اصل مقصود ہے بھی رضائے الٰہی و رضوان من اللہ اکبر۔ لیکن اس قسم کے واقعات نقل کرنے میں دیکھا گیا ہے کہ لوگ غلو سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

حضرت سائیں انبالوی نور اللہ مرقدہٗ کے سلسلہ کے لوگ اب بھی موجود ہیں۔ سندھ حیدرآباد اور لاہور کے مضافات میں موضع ھوکی براستہ رائے ونڈ میں اسی سلسلہ کے معتبر احباب موجود ہیں جن سے حضرت سائیں مرحوم کی زندگی کے بہت سے واقعات ملے۔ بعد ازاں حضرت سائیں رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات سے بھی ان واقعات کی تصدیق ہونے پر یہ مضمون مرتب کیا جا رہا ہے۔ ویسے بھی برادرِ مکرم ڈاکٹر مناظر حسین صاحب نظر ایڈیٹر خدام الدین کی فرمائش تھی کہ "اولیاء اللہ نمبر" کے سلسلہ میں کچھ جمع کیا جائے! اللہ تعالےٰ جل شانہٗ اپنے سچے طالبوں کو ان واقعات کے ذریعہ نورِ ایمان، عشق و محبت، قربِ معرفت میں ترقی نصیب فرمائے۔ آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

نام مبارک توکّل شاہ المعروف سائیں توکّل شاہ انبالوی نور اللہ مرقدہٗ۔ وطن مالوف موضع پکھو کی متصل مشہور گاؤں رتّر چھتّر (متصل ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور) حلیہ مبارک قد درمیانہ جسم بھاری، ڈاڑھی گنجان، رخسار بھرے ہوئے۔ آنکھیں عشقِ الٰہی کی مستی سے بھری رہتی تھیں۔ چہرہ مبارک بہت خوبصورت، مجلس میں پہچانے جاتے تھے۔ ہر نووارد بلا تعارف کے بھری محفل میں پہچان سکتا تھا۔ غیر مسلم بھی عقیدت سے حاضر ہوتے تھے۔ چہرہ انور کو دیکھتے ہی پکار اٹھتے تھے کہ واقعی یہ رب کا خاص بندہ ہے۔ کرتہ دراز پہنتے تھے تہبند اکثر باندھتے تھے، سر پر عالمانہ عمامہ، سردیوں میں کنٹوپ۔ لباس عموماً سفید استعمال فرماتے تھے۔

تربیت و پرورش

والدین بچپن ہی میں رحلت فرما گئے تھے۔ لہٰذا آپ کے نانا اللہ دین شاہ مست نے دیکھ بھال کی تھی۔ جو خود بھی باخدا تھے۔

عادات وخصائل

طبیعت بہت نرم تھی۔ ہر ایک سے لطف و مہربانی سے پیش آتے تھے، غصّہ بہت کم ہوتے تھے۔ اگر ہوتے تو معاف بھی بہت جلد کر دیتے تھے۔ علماء کرام، ساداتِ کرام اور اہل اللہ کی اولاد کا بہت ادب کرتے تھے۔ فقراء و مساکین کو بھی محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ غریب، نادار، مسافروں کی اعانت دل کھول کر کرتے تھے۔ کسی بھی فرقہ و مذہب کا آدمی ملنے کو آتا تو اس کی مہمان نوازی کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مذہبی معاملات میں کبھی کسی سے الجھنا پسند نہیں فرماتے تھے کوئی اس قسم کی کوشش بھی کرتا تو احسن طریقہ سے معاملہ کو ختم کر دیتے۔ فاسق و فاجر کی غیبت سننا بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایسے کرنے والے کو سخت تنبیہ فرماتے۔ غیبت کی مذمت بھی فرماتے، صرف مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کے بارے میں سخت غصّہ کا اظہار فرماتے۔ اکثر دیکھا گیا کہ مرزا آنجہانی خطوط ارسال کرتے اور دعا کی درخواست کرتے تو آپ کے اس کے خط کا سن کر جلال میں آ جاتے۔ ایک مرتبہ فرمایا ہم نے کشف کے ذریعہ معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ مرزا گندگی کے ڈھیر پر پڑا ہوا ہے۔ اس وقت تک مرزا آنجہانی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ صرف مجددیت کا دور دورہ تھا۔

زبان پنجابی بولا کرتے تھے۔ یو۔پی کے رہنے والے ایک صاحب نے پنجابی زبان کی مذمت کی تو آپ نے اس کو سزا بھی دی اور فرمایا میرے پیرو مرشد کی زبان پنجابی تھی تو اسے بُرا کہتا ہے۔ دو بیویاں تھیں۔ اولاد کے متعلق صحیح معلومات نہیں مل سکیں۔ اکثر مستی کی حالت میں رہتے تھے۔ گاہے گاہے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اکثر حجرہ مبارک میں آرام فرماتے تھے، چارپائی وغیرہ کا اہتمام بھی نہ تھا۔ معمولی سا کپڑا نیچے بچھا کر لیٹ جایا کرتے تھے۔ سردیوں میں کسیر ڈلوا لیا کرتے تھے۔ سنت کے مطابق بیٹھتے تھے اس کے علاوہ بھی ہر کام میں سنت کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ اتباعِ شریعت کو عین دین سمجھتے تھے۔ کھانا بہت کم تناول فرمایا کرتے تھے۔ اخیر وقت میں چند لقموں سے زیادہ تناول نہ فرمایا کرتے تھے۔ کھانا جو لنگر میں عام لوگوں کے لئے پکتا تھا۔ اسی میں سے آپ بھی کھا لیا کرتے تھے۔ ہر وقت لنگر جاری رہتا تھا امیر غریب سب کو یکساں ایک ہی طرح کا کھانا ملتا تھا۔

دن رات اکثر ذکر اللہ میں مشغول رہتے۔ چند گھنٹوں سے زیادہ آرام نہ فرماتے۔ کبھی کبھی سونا ہی بھول جاتے تھے۔ یاد دلانے پر فرماتے اچھا یہ کام بھی کر لینا چاہئے۔ پھر کچھ دیر سو لیتے تو بیدار ہونے پر خوشی محسوس کرتے کہ سونے والا کام رہ چلا تھا الحمد للہ وہ بھی پورا ہو گیا۔ سونے سے پہلے اللہ تعالےٰ جلشانہٗ کی جناب میں التجاء عرض کرتے یا اللہ! میں سونے لگا ہوں۔ میں تیرا مسکین بندہ ہوں۔ مجھے معاف فرما۔ گاہے اپنے کسی معتبر مرید صاحبِ علم کو بلا کر فرماتے۔ آج مجھ سے کوئی مکروہ فعل تو سرزد نہیں ہوا پھر خود ہی کچھ روپے نکال کر فرماتے ان کو صدقہ کر دو تاکہ کفارہ کا سبب ہوں۔

مخدوم سائیں توکّل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اسی سلسلہ مبارک کی تعلیم بھی طالبانِ حق کو دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اہلِ حق کی عادت رہی ہے کہ ہر سلسلۂ روحانی کی قدر و منزلت پہچان کر اسی کی تعریف کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت سائیں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تمام

سلاسل مبارک کو بہتر جانتے تھے۔ یوں ان کے مکشوفات عالیہ سے پتہ چلتا ہے کہ سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ کی اجازت بھی ان کو روحانی طور پر حاصل تھی۔ ویسے آپ کو شیخ قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت بیعت حاصل تھی۔ پھر جیسا کہ مشائخ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا معمول ہے کہ حلقہ باندھ کر توجہ دیتے ہیں۔ حضرت سائیں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی توجہ دیا کرتے تھے۔ اور بہت جلد لوگوں کو اس کا فائدہ پہنچتا تھا۔ آپ کی توجہ بہت تیز ہوتی تھی۔ غیر مسلم تک پر اثر انداز ہوتی تھی۔ جس کی طرف ذرا تیز نگاہ سے متوجہ ہو جاتے۔ جذب کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ دل دنیا سے بیزار ہو جاتا اور آخرت کی طرف لگ جاتا تھا۔ یہ ہی نہیں بلکہ روئیں روئیں اور بال بال سے اللہ اللہ کی آواز نکلنی شروع ہو جاتی تھی۔ آپ کے اندر عشق الٰہی کی گرمی بہت تھی۔ گاہے گاہے اس کا ذکر بھی فرما دیا کرتے تھے۔

حضرت سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظاہر کے فاضل نہ تھے مگر سینہ مبارک میں وہ نور علم لدنی رکھتے تھے کہ جو بات منہ سے نکلتی قرآن و حدیث کے مطابق ہوتی تھی گو الفاظ اپنے ہوتے تھے۔ مگر معنیٰ کے اعتبار سے قرآن و حدیث سے بات مطابقت کھاتی تھی۔

یہ بات تو آپ کے متعلق بہت ہی مشہور ہے کہ کوئی آپ کے سامنے قرآن مجید کی آیت شریفہ یا حدیث شریف یا عام عربی عبارت پڑھتا تو فوراً علیحدہ علیحدہ بیّن فرق کے ساتھ ہر ایک کی تعیین فرما دیتے لوگ کہتے حضرت! آپ تو عالم نہیں ہیں پھر آپ کو کس طرح معلوم ہو جاتا ہے؟ تو فرماتے مجھے ہر ایک نور نظر آتا ہے اور اس نور کی حد بھی معلوم ہو جاتی ہے اور عام عبارت اگرچہ عربی کی ہو اس میں وہ بات نہیں ہوتی۔

طبیعت میں سادگی بہت تھی چنانچہ جو کچھ کشف کے طور پر باتیں معلوم ہوتیں ظاہر فرما دیا کرتے تھے۔ جس میں عجیب عجیب اونچی اونچی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کو یہاں عوام کے سامنے تو ہرگز بیان مناسب معلوم نہیں ہوتا بلکہ خواص کرنا بھی برملا نہ کہنا بہتر ہے۔

حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری مدظلہ، خلیفہ مجاز حضرت عالی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کو خدا کے یہاں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ ان کے حالات متقدمین اکابر، صوفیائے کرام سے ملتے ہیں اس سے ان کی شان رفعت معلوم ہوتی ہے۔ عوام کالانعام کے کہنے کا تو کوئی اعتبار نہیں کہ یہ لوگ جاہل ہوتے ہیں۔ جس طرح نابینا کی نشان دہی ہرگز معتبر نہیں بینا کے مقابلہ ہیں۔ اسی طرح حضرات اہل اللہ کے مقابلہ میں عوام کے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں اب یہ عوام خواہ جدید علوم و فنون کے ماہر ہوں، عہدہ دار ہوں خواہ مزدور پیشہ ہوں جاننے کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ یہ تو ہر پاگل کو مجذوب اور ہر مکار کو ولی کامل کہتے ہیں۔ اعتبار کامل کے کہنے کا ہوتا ہے۔

یہاں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں اپنے اکابر دیوبند کے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو جائے گا کہ واقعتاً آپ بزرگ، خاصان خاص اور مقرب بارگاہ تھے۔

قطب گنگوہی حضرت مولانا رشید احمد نور اللہ مرقدہٗ کی بابت خاص دوستوں سے سنا ہے کہ جب حضرت سائیں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو حضرت عالی گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا۔ انبالہ کا علاقہ درویشی سے خالی ہو گیا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی ایک کتاب کے بالکل شروع میں میں نے خود پڑھا کہ جس کو آج بیعت ہونے کی خواہش ہو وہ مندرجہ ذیل بزرگوں میں سے کسی ایک سے بیعت ہو جائیں۔ اس فہرست میں حضرت سائیں انبالوی نور اللہ مرقدہٗ کا نام مبارک بھی درج تھا۔ اور یہ بات سننے میں آئی ہے شاید حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی کسی تصنیف میں کسی جگہ ہو کہ حضرت سائیں انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو آپ تشریف لے گئے تھے۔ جس پر سائیں صاحب مرحوم نے ارشاد فرمایا حضرت وہ شعر کیا ہے ؎

اللہ اللہ این چہ شیرین است نام
شیر و شکر مے شود جانم تمام

یہ شعر پڑھ کر فرمایا۔ واقعی میرا منہ اللہ پاک کے نام لینے سے میٹھا ہو جاتا ہے

ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سائیں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت پائے کے بزرگ گذرے ہیں۔

توکل کے بارے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ توکل کے معنی یہی ہیں کہ مخلوق سے تمنا نہ کرے اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھے۔ نیز فرماتے متوکل بھوکا نہیں مرتا۔

حضرت کا توکل

:- یوں تو توکل والی صفت تمام ہی اولیاء اللہ میں پائی جاتی ہے۔ مگر حضرت سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس دور میں بہت مشہور تھا۔ شروع شروع میں تنگی بھی پیش آئی مگر بعد میں خدائے پاک نے اپنے فضل و رحمان سے وافر روزی عطا فرمائی۔ طبیعت میں چونکہ سادگی بہت تھی ایک مرتبہ جنگل میں جا رہے تھے خیال آیا کہ قرآن پاک میں جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اہل تقویٰ کو وہاں سے روزی پہنچا دیں گے جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو گا۔ تو ضرور یہ جنگل میں بھی روزی پہنچ کر رہے گی۔ چنانچہ کئی دن بھوک پیاس میں گذارے ایک دن سامنے سے ایک صاحب روٹی اور لسی لاتے ہوئے نظر پڑے آپ چھپنے لگے اس نے بھاگ کر روک لیا اور کہا کہ کھانا کھا لو۔ آپ نے فرمایا میں تو اللہ پاک کے ہاتھوں سے کھاؤں گا جب وہ کھلانے آئیں گے تو ان کا دیدار بھی ہو جائے گا۔ آنے والے نے سمجھایا کہ اللہ پاک تو بادشاہ ہیں اور ہم سب ان کے نوکر ہیں بھلا بادشاہ کو اپنے پاس بلانا کوئی ادب کی بات ہے۔ میں بھی اسی کا نوکر ہوں بادشاہ نوکروں کے ہاتھ بھیجا کرتے ہیں آپ نے فرمایا بات تو ٹھیک ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بادشاہ ہیں اور میں بھی اس کا نوکر ہوں لاؤ تو پھر کھا ہی لوں۔ اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب توکل کے واقعات آپ کی زندگی میں ملیں گے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایسا توکل آج کہاں یہ تو اسلاف کے سچے جانشین تھے۔

ایثار و زہد اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ جو کچھ نقد، پارچات وغیرہ بطور ہدیہ کے آتے سب کے سب مقیم خانقاہ اور مسافروں اور غریبوں کو تقسیم فرما دیتے، زکوٰۃ خیرات کو خود استعمال نہ فرماتے تھے اور درویشوں کو بھی منع فرماتے تھے۔ فرماتے ہم کوئی

غریب ہی ہیں ہم تو غنی کے در سے پانے والے ہیں، پھر حلال وحرام کی بھی بہت پرکھ تھی یہ نہیں کہ جو آیا رکھ لیا بلکہ حرام چیز کو فوراً واپس کر دیا کرتے تھے۔

توکل کے بارے میں یہ بھی فرماتے تھے یہ بڑی ہی اعلیٰ درجہ کی صفت ہے توکل ہی پر ایمان کا دارو مدار ہے۔ اسی سے مراتب ملتے تھے۔ اسی سے علم توحید میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ معرفت الٰہیہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ استقامت نصیب ہوتی ہے اور عبودیت کامل ہوتی ہے۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ توکل جب صحیح ہو جاتا ہے اور پختہ ہوجاتا ہے تو پھر تین دن سے زیادہ بھوک پیاس نہیں آتی۔ مگر توکل بہت دشواری سے حاصل ہوتا ہے۔

سماع کے بارے میں فرمایا کرتے تھے نہ اقرار میکنم و نہ انکار میکنم۔ فرماتے اہل اہل کو تو نفع دیتا ہے اور جو اس کے اہل نہیں ہیں ان کو نفع بخش نہیں اور بعض کاملین ایسے بھی گزرے ہیں کہ جن کو ذوق سماع ہی نہیں بخشا گیا ان کا ذوق وشوق کسی اور راہ کا ہے۔ فرمایا بچپن میں ایک مرتبہ حضرت حافظ ضامن صاحب شہید نور اللہ مرقدہٗ سماع سن رہے تھے میں بھی قریب جا بیٹھا حضرت نے خوب توجہ ڈالی اور فرمایا یہ لڑکا بڑا ہو کر درویش کامل بنے گا۔

معمولات شریفہ:۔ حضرات اپنے معمولات میں بہت پختہ کار ہے۔ کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا۔ ہر حال میں معمولات کو پورا فرماتے ہیں۔ شروع شروع میں سفر بھی اختیار کئے بعد میں قیام ہی ایک جگہ فرما لیا تھا۔ کسی نے عرض بھی کیا فرمایا قطب تارہ اپنی جگہ سے ہلتا ہے عرض کیا نہیں فرمایا بس ہم بھی ایک جگہ اب تو جم گئے۔ کوئی آپ کی منہ پر تعریف کرتا تو سخت برہم ہوتے۔ سجدہ کو یقطعی ناجائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت کے معمولات میں علاوہ دیگر اوراد کے درود شریف کا ورد بہت کثرت سے ہوتا تھا۔ مریدین کو بھی ہزاروں کی تعداد میں تلقین فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے ہم پڑھے لکھے تو ہیں بس درود شریف کی کثرت کی برکت سے فضل الٰہی شامل ہوا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کثرت درود شریف سے لطیفہ قلبی بہت جلد کھلتا ہے۔ عشاء کے بعد بھی دو تسبیح درود شریف کی پڑھ کر سویا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے بغیر پڑھے رہ گئے خواب میں فرشتے اس امر کی طرف یاد دہانی کرا رہے تھے۔ فرمایا کرتے تھے درود شریف بڑے مزہ کی چیز ہے۔ اس کا پڑھنے والا اور سوئم کلمہ کا پڑھنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوگا شیطان کے پھندے میں نہیں آئے گا۔ بلیات سے محفوظ رہے گا۔ دونوں جہاں میں اس کی برکات کا مشاہدہ کرے گا فرماتے جس کا دل کتنی شیخ و مرشد پر بھی نہ جمتا ہو وہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے انشاء اللہ جلد راستہ نصیب ہوگا۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ اور عبادتیں تو کسی قصور کے سبب رد بھی ہو سکتی ہیں مگر درود شریف کسی حال میں بھی رد نہیں ہوتا ف صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کو بہت تلقین فرمایا کرتے تھے۔

تونگری اور روزی کی فراخی کے واسطے اللہ الصمد کثرت سے پڑھنے کو فرمایا کرتے تھے۔ مراقبہ میں اکثر وقت گذارتے تھے، نماز کا حال عجیب تھا۔ لوگ حضرت کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے آتے تھے اور صرف دیکھنے والوں پر بھی عجیب کیفیت طاری ہو جاتی بحالت استغراق خادم بتلایا کرتا حضرت اب رکوع کی تسبیح پوری ہو گئیں اب سجدہ کی تسبیح پوری ہو گئیں گا ہے عشاء کی نماز آدھی رات تک پڑھتے رہتے تھے۔ جب پڑھ لیتے تو بہت بہت شکر بجا لاتے الٰہی تو نے اپنے مسکین بندہ سے نماز پڑھوائی تیرا فضل ہے۔ وضو کرنے میں کوئی بات نہ خود کرتے تھے نہ کسی کی بات کا جواب دیتے تھے!

ملفوظات:۔ کسی نے پوچھا جناب تصوف کیا ہے۔ فرمایا بھائی ہم پڑھے لکھے تو نہیں اتنا جانتے ہیں کہ خدا راضی ہو جائے مرتے وقت کلمہ نصیب ہو جائے اور بس پھر تصوف کی جو چاہے تعریف کردو۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ قرآن مجید کی بعض آیات کی ایسی تفسیر فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی اور وہ کتب معتبرہ سے ثابت ہوتی تھیں۔ بس الفاظ کا فرق ہوتا تھا۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ چہار شنبہ فجر کی نماز کے بعد انتقال فرمایا۔ قبر شریف انبالہ میں ہے۔

بقیہ۔ اسلام کے اجتماعی مسائل

کا مطلب اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟ چنانچہ راوی کے اس سوال پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے تائید میں قرآن مجید کی آیت پیش فرمائی۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ، جس کا حاصل یہ ہوا کہ خود حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی حدیث کا مفہوم قریب قریب وہی ہے جو اس آیت کا مفہوم ہے،

اب دیکھئے آیت کا مفہوم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بیان فرمایا، اسی کی روشنی میں ہمارے لئے اس حدیث کے صحیح مفہوم تک رسائی آسان ہو گی، احکام القرآن ابوبکر جصاص میں جہاد سے رفیع اللہ صاحب نے یہ روایت نقل کی ہے اس کے اگلے صفحہ (۱۳۱- جلد ۳)، پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث سند متصل کے ساتھ موجود ہے، کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بہت شاق ہوئی، حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں آپ حضرات کے اشکال کو رفع کئے دیتا ہوں، بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ اس آیت کی وجہ سے آپ کے صحابہ گرامی میں ثقل ہیں، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ان اللہ تعالیٰ لم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیب ما بقی من اموالکم، انما فرض المواریث لتکون لمن بعدکم
(ابوداؤد ص مشکوٰۃ ص)

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے تو فرض فرمائی ہے، تاکہ تمہارے باقی ماندہ مال پاک ہو جائیں، اور حق تعالیٰ نے میراث کے حصے اسی لئے تو مقرر فرماتے ہیں کہ وہ مال تمہارے وارثوں کے لئے باقی رہیں،

اس حدیث سے نہ صرف صحابہ کرام کا اشکال حل ہو گیا، بلکہ آیت کی مراد بھی واضح ہو گئی، یعنی آیت میں تذکرہ صرف ان ہی لوگوں کا ہے جو زکوٰۃ فرض کے ادا کرنے میں بھی بخل کرتے ہیں، اسی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عقلی دلیل بھی بیان فرما دی، یعنی اگر آیت کا یہی مطلب ہو کہ تمام مال کا خرچ کرنا ضروری ہے تو حق تعالیٰ کا قانون میراث معطل ہو کر رہ جائے گا۔

ص تفسیر مظہری ص میں مستدرک حاکم، سنن بیہقی ابن ابی حاتم، ابن دویہ کا حوالہ بھی ہے، اور حافظ سیوطی نے در، ث۔ ھق، کا حوالہ دے کر اس کی تصحیح کی ہے۔ جامع صغیر ص



محمد یوسف : ماموں کانجن

اسلام کے اجتماعی مسائل

★ —— بحث وجدال سے بالاتر ہیں

حامدًا مصلیاً ومسلماً، "مشرق" کے کالموں میں شرحِ زکوٰۃ میں اضافہ کی جس بحث کا آغاز، ڈاکٹر فضل الرحمان کے مراسلہ سے ہوا تھا اس سلسلہ میں ۲۶ جون کے مشرق میں جناب رفیع اللہ صاحب کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے، جس میں موصوف نے ڈاکٹر صاحب کی تائید میں بزعم خود کچھ مزید دلائل "اہل علم حضرات کے غور و فکر کے لئے" فراہم کئے ہیں، چونکہ موصوف فہم وبصیرت اور قوتِ اجتہاد میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن سے بھی چند قدم آگے معلوم ہوتے ہیں، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ ان کے دلائل کو واقعات کی کسوٹی پر پرکھا جائے،

موضوع بحث کی تعیین

موضوع بحث یہ تھا، کہ مختلف اموالِ زکوٰۃ کی جو شرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اور حدیث وفقہ کے ذخیرہ میں قرناً بعد قرنٍ پے در پے نقل ہوتی چلی آ رہی ہے اور امت کا ہر پچھلا طبقہ پہلے طبقہ سے اس امانت کو بلا کم و کاست قبول کرتا آ رہا ہے، کیا آج چودہ سو سال بعد اس میں ترمیم و تنسیخ کا عملِ جراحی ممکن ہے، کیا زکوٰۃ کی منقولہ مقادیر میں ردّو بدل جائز ہے، مثلاً سونے چاندی کی شرح ۲½ فیصد اموالِ تجارت کے لئے ۲½ فیصد، پیداوار کے لئے دس یا بیس فیصد، اونٹ، گائے، بکری کے لئے خاص مقدار جو آنحضرتِ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دی ہے، اس میں کمی و بیشی صحیح ہے یا غلط،

لیکن ہمارے مقالہ نگار جناب رفیع اللہ صاحب کے علم وفہم کی داد دیجئے، کہ وہ ابھی تک موضوع بحث کو نہیں سمجھ پائے، ان کا خیال ہے کہ بحث شاید صرف اڑھائی فیصد میں ہو رہی ہے، آپ لکھتے ہیں،

"اب مسئلہ یہ ہے کہ آیا زکوٰۃ کی
اڑھائی فیصدی شرح یا مقدار قطعی
شرعی حکم ہے۔ اور کیا اس میں کمی
بیشی خلافِ اسلام ہو گی"

موصوف کی خدمت میں اس کے سوا اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے، کہ وہ از راہِ کرم موضوعِ بحث کو سمجھیں، پھر دلائل کی فراہمی کا شوق فرمائیں، بحث اڑھائی فیصد کی نہیں، بلکہ بحث ان مختلف مقادیر کی ہے، جو چودہ صدیوں میں بغیر کسی شک وشبہ کے محفوظ ہیں، بلا شک نقدی اور مال تجارت کی زکوٰۃ ۲½ فیصد ہے لیکن یہ تصور پیش کرنا نادانی ہے کہ ہر مال کی زکوٰۃ ۲½ فیصد ہے، اسی غلط مفروضہ کا نتیجہ ہے کہ آگے چل کر موصوف نے تمام زور قلم اس پر صرف کر دیا کہ دیکھو اونٹ، گائے، بکری کی زکوٰۃ ۲½ نہیں بنتی۔ پیداوار کی زکوٰۃ یہ نہیں رکاز (دفینہ) کی زکوٰۃ یہ نہیں، لہذا ۲½ فیصد کا دعویٰ غلط،

موضوع متعین کرنے کے بعد اب موصوف استدلال میں عجیب وغریب انکشافات فرماتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے،

"صحابہ کے زمانہ میں ہمیں ایسے واقعات
ملتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے
تعیین میں بھی اختلاف رہا ہے اور تبدیلی بھی
ہوتی رہی ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے"

جن مقدار کا اوپر تذکرہ کر چکا ہوں انہیں سامنے رکھ کر واقعات نہیں بلکہ صرف ایک صحیح واقعہ کا حوالہ موصوف اگر پیش کر سکیں تو یہ ایک بڑا علمی کام ہو گا، اور ہم سب ان کے ممنون ہوں گے، لیکن اگر وہ "جن کی تفصیل حسب ذیل ہے" کے سرمایہ ہی پر امت کے اجماعی عقیدہ کو کھلونا بنانا چاہتے ہیں، تو اس سے بڑھ کر خوش فہمی کی عمدہ مثال کیا پیش کی جا سکتی ہے اب تفصیل سنئے، ارشاد ہوتا ہے۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث
کے مطابق تو یہ ہے کہ زکوٰۃ کی شرح تو
اونٹوں اور دوسری چیزوں کے لئے ہے،
جہاں تک نقدی یا سونے کا تعلق ہے وہ
سب کی سب زکوٰۃ ہے (بحوالہ احکام
القرآن ابوبکر جصاص جلد ۳ صفحہ ۱۳۰)"

موصوف نے یہاں جس حدیث کے حوالہ سے کمیونزم کے نظریۂ اشتراکیت کو اسلام کے سر مڑھنے کی محنت فرمائی ہے، نہ اس کی سند ذکر کی، نہ متن کو چھوا، نہ اس کے ترجمہ ہی کی زحمت گوارا فرمائی، لیکن "صحیح حدیث" کا فتویٰ صادر فرما دیا، لطف یہ کہ امام ابوبکر جصاصؒ نے اس پر جو تبصرہ فرمایا، نشۂ اجتہاد میں آپ اسے بھی ہضم کر گئے، اس لئے موصوف کی علمی دیانت کی وضاحت کے لئے یہاں وہ حدیث مع تبصرہ کے نقل کی جاتی ہے،

ساوی موسیٰ بن عبید ۃ قال حدثنی عمران بن ابی انس عن مالك بن اوس بن الحدثان عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی الابل صدقتها، من جمع دینارًا او درهمًا او تبرًا او فضةً لا یعده لغریم ولا ینفقه فی سبیل اللہ فهی کیٌّ یکوی بها یوم القیامة،

قال قلت انظر ما یجیئ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان هذه الاموال قد فشت فی الناس، فقال اما تقرأ القرآن (والذین یکنزون الذهب والفضة الآیہ

موسیٰ بن عبیدہ نے روایت کیا ہے کہ مجھ سے عمران بن ابی انس نے بیان کیا مالک بن اوس بن حدثان سے اونہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اونٹوں میں ان کا صدقہ (واجب ہے) اور جس نے دینار، درہم یا سونا چاندی جمع کیا، نہ تو قرض خواہ کے لئے اسے تیار رکھتا ہے، نہ اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، پس وہ داغ ہے جس کے ساتھ اسے قیامت کے دن داغ دیا جائے گا، راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذرؓ سے عرض کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے غور وفکر سے روایت کیجئے (کہیں اس میں فرو گذشت نہ ہونے پائے) کیونکہ یہ مال لوگوں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں (اور کسی نے تمام مال خرچ کرنے کا فتویٰ نہیں دیا۔) اس پر آپؓ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے)

پوری روایت آپ کے سامنے ہے جس میں موسیٰ بن عبیدہ سے نیچے کا سلسلہ سند موصوف کے ماخذ میں بھی مذکور نہیں، نہ اس میں اس کے "صحیح حدیث" ہونے کا ادنیٰ اشارہ پایا جاتا ہے، اس صورت میں موصوف کا اسے صحیح حدیث قرار دینا محض رجم بالغیب نہیں تو اور کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس امام جصاص بظاہر اس کے سنتِ متواترہ اور اجماع امت کے خلاف ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

قال ابوبکر، قد ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنقل المستفیض ایجابہ فی مائتی درھم خمسۃ دراھم وفی عشرین دیناراً نصف دینارٍ، کما اوجب فی فرائض المواشی و لم یوجب الکل، فلو کان اخراج الکل واجباً من الذھب والفضۃ کما کان للنقد یروجہ وایضاً فقد کان فی الصحابہ قوم ذو ویسار ظاھر واموالٍ جمّۃ مثل عثمان وعبد الرحمٰن بن عوف، وعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذالک منھم، فلم یامرھم باخراج الجمیع فثبت ان اخراج الجمیع لذھب والفضۃ غیر واجب دون اعفروض واخراجہ ھوا الزکوٰۃ الا ان تحدث امور توجب المواساۃ والاعطاء (احکام القرآن صـ۱۳۱ جلد ۳)

امام جصاص فرماتے ہیں، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواشی کے صدقات کی معین مقدار واجب فرمائی ہے، اسی طرح آپؐ نے دو سو درہم چاندی میں ۵ درہم اور ۲۰ مثقال سونے میں ½ مثقال کی تعیین بھی نقل متواتر سے ثابت ہے۔ اور یہ کہ آپؐ نے یہ کل واجب نہیں فرمایا، اب اگر کل سونے چاندی کا خرچ کرنا ہی واجب ہوتا تو ایک خاص مقدار مقرّر فرمانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔

پھر یہ بھی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں خاصی تعداد اچھے خاصے مالداروں کی بھی تھی، جن میں حضرت عثمان اور عبد الرحمان بن عوف کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مالداری کا علم بھی تھا، لیکن آپ نے ان کو تمام مال خرچ کرنے کا حکم نہیں فرمایا، اس سے واضح ہوا کہ تمام سونے چاندی کا خرچ کرنا واجب نہیں، اور یہ کہ صرف زکوٰۃ کی مقدار (۲½ فیصد) خرچ کرنا واجب ہے، الایہ کہ کوئی خاص حالت پیش آجائے جس میں خرچ کرنا ضروری ہو جائے تو دوسری بات ہے،

اس کے بعد امام موصوف نے اس پر کئی شواہد پیش فرمائے ہیں، جو اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائے جا سکتے ہیں، امام جصاص کا یہ بیان بھی جناب رفیع اللہ صاحب کی نظر سے گذرا ہوگا، لیکن موصوف ان تمام امور کو نظر انداز کرتے ہوئے کتنی سادگی سے فرماتے ہیں،

"یاد رہے کہ اس کی (حدیثِ مذکور کی) مخالفت میں کوئی حدیث نہیں"

کیا میں ان سے دریافت کر سکتا ہوں، کہ آپ نے ایک مبہم حدیث کی نقل میں تو امام جصاص رازی پر اعتماد کر لیا، لیکن اسی کے بالکل متصل امام موصوف نے اس کے خلاف سنتِ متواترہ اور اجماع کا حوالہ دیتے ہوئے متعدد احادیث نقل کیں تو آپ ان سب کو گول کر گئے، کیا اسے علمی تحقیق کا نام دیا جائے گا۔؟

آپ نے کئی جگہ بلا سوچے سمجھے حجۃ اللہ کے حوالے دیئے ہیں، جناب کی مزید بصیرت کے لئے حجۃ اللہ کا حوالہ بھی حاضر ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں،

ثم مست الحاجۃ الی تعیین مقادیر الزکوٰۃ اذ لولا التقدیر لفرط المفرط ولا عتدی المعتدی (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲۔ صـ۳۹)

پھر یہ بھی ناگزیر تھا کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے مقادیر زکوٰۃ کو معین کر دیا جائے، اس لئے کہ اگر ایک مقدار خاص معین نہ کی جاتی تو ظالم ظلم پہ اتر آتے، اور نکلنے والے حد سے نکل جاتے،

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وقد استفاض من روایۃ ابی بکر الصدیق وعمر بن الخطاب وعلی بن طالب وابن مسعود، وعمر بن حزم وغیرھم رضی اللہ عنھم بل صار متواتراً بین المسلمین ان زکوٰۃ الابل الخ (ایضاً صفحہ ۴۳)

حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعود، حضرت عمر بن حزم وغیرہم رضی اللہ عنہم کی روایت حدِ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے بلکہ مسلمانوں میں تواتر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کہ اونٹوں کی زکوٰۃ (اس کے بعد اونٹوں کی معروف زکوٰۃ مذکور ہے)

وقد استفاض من روایتھم ایضاً فی زکوٰۃ الغنم الخ واستفاض ایضاً ان زکوٰۃ الرقۃ ربع العشر فان لم یکن الا تسعون ومائۃ فلیس فیھا شیٔ، والذھب محمول علی الفضۃ، (ایضاً صفحہ ۴۴)

اور ان ہی حضرات کی روایت بکریوں کی زکوٰۃ کے بارے میں بھی متواتر ہے، اور یہ بھی تواتر سے ثابت ہے کہ چاندی کی زکوٰۃ ۲½ فیصدی ہے، پھر اگر صرف ۱۹۰ درہم ہوں تو ان میں کچھ واجب نہیں ہوگا، اور سونے کا حکم بھی چاندی ہی کا ہے،

تعجب ہے، کہ امام جصاصؒ اور امام ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ مقادیر زکوٰۃ کو قطعی، متواتر، اور خلفاء راشدین کی مشہور روایات سے ثابت شدہ بتلاتے ہیں اور محترم رفیع اللہ صاحب، احکام القرآن اور حجۃ اللہ کے حوالے دے دے کر لوگوں کو یہ بتلاتے ہیں، کہ خلفاء راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر فرمودہ مقادیر میں ترمیم کر لیا کرتے تھے،

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

شاہ ولی اللہ صاحب زکوٰۃ میں ردوبدل اور کمی بیشی کرنے والوں کو ظالم اور معتدی (حد سے نکلنے والے) قرار دیتے ہیں، لیکن ہمارے کرم فرما اس ظلم و اعتداء کے حضرات خلفاء راشدین کی طرف منسوب کرنا علمی تحقیق تصور کرتے ہیں، خیا للاسف

بہر حال اول تو ان کی نقل کردہ روایت کا سند کے اعتبار حال معلوم نہیں، دوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ متواترہ، اور اجماعِ امت کے یہ خلاف ہے اس لئے اصول کے قاعدہ سے۔ جو عقلی قاعدہ بھی ہے۔ خود اس روایت میں تو تاویل کی جائے گی، لیکن اس کو بلا فہم وتدبر سامنے رکھ کر سنتِ مستفیضہ اور امت کے اجماعی عقیدہ کو ٹھکرا دینا عقلاً ونقلاً کوئی وجہ جواز نہیں رکھتا، فاماً الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ ان بیرونی امور سے قطع نظر لوگ اس روایت کے الفاظ پر ہی غور کر لیا جاتا تو شاید استدلال او جواب کی ضرورت نہ ہوتی روایت کا ظاہری مفہوم بلا شبہ یہی نظر آتا ہے کہ سونا چاندی حوائجُ ضروریہ کے لئے ہے یا انفاق فی سبیل اللہ کے لئے، اس لئے جو مال زائد از حاجت ہوگا اسے صرف کرنا ضروری ہوگا، اور یہی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی تھا، لیکن اسی روایت میں یہ بھی بیان ہوا، کہ راوی حدیث سے ظاہری معنیٰ پر عمل کرنے سے حضرت ابوذر کو باز رکھنا چاہتا ہے کیونکہ لوگوں میں ان اموال کی کثرت ہے، چنانچہ قریب قریب سبھی مسلمان حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اس قدر متمول ہو چکے ہیں کہ ان پر زکوٰۃ فرض ہو سکتی ہے، پس اگر یہ روایت اپنے ظاہری معنیٰ ہی کے اعتبار سے مراد ہوتی، تو آخر یہ کیونکر ممکن ہوا کہ تمام صحابہ اس حدیث کو بھول گئے ہوں میں پوچھتا ہوں کہ راوی کے الفاظ۔

انظر ما یجیٔ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان ھذہ الاموال قد فشت فی الناس۔

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے غور وفکر کے بعد روایت کرو (کوئی فروگذاشت نہ ہونے پائے) کیونکہ یہ اموال عام طور پر لوگوں میں پائے جاتے ہیں (لیکن کل خرچ کرنے کا فتویٰ کسی نے نہیں دیا)

نورانی مجلسیں

مرتبہ: محمد عثمان غنی واہ کینٹ

قسط ۳

حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب کے ارشاداتِ عالیہ

"......اس سرزمینِ پاک (اکوڑہ خٹک) پر اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں جس سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ ہمارے اکابر گلزارِ رسولؐ میں آتے ہیں اور بلبلِ مدینہ کی طرح چہکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دیر تک سلامت رکھیں۔ اور اس مدرسے کو تا قیام قیامت اللہ تعالیٰ دین کی خدمت کے لئے باقی رکھیں۔ میں ایک بہت ہی معمولی سا طالب علم ہوں۔ اپنے حضرت شیخ الحدیث سے مجھے بھی کچھ شرف استفادہ دارالعلوم دیوبند میں حاصل ہوا اور میری تو ہمت نہیں کہ ان کے سامنے کچھ لب کشائی کر سکوں مگر تعمیلِ حکم کے لئے ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اب جب کہ حافظ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ صاحب درخواستی نے ماشاء اللہ خوب دل کھول کے تقریر بھی کی اور نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، میں تو صرف اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لئے ہی اس وقت کھڑا ہوں۔ دارالعلوم دیوبند میرا بھی اور میرے اساتذہ گرامی کا بھی مادرِ علمی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی قیامت تک قائم دائم رکھیں۔ اور جو ہند و پاکستان، ایشیا اور افریقہ بلکہ ساری دنیا کے اندر اسلام کی جوت جگائی ہے، جو خدمتِ اسلام کا انہوں نے بیڑا اٹھایا ہے۔ اور اللہ نے اسے جو قبولیت سے نوازا ہے اس دنیا میں تو اس کی مثال شائد ہی ہو لیکن یہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک بقول مولانا طیب کے اس کا ایک حصہ ہی سمجھنا چاہئے۔ اور اب واقعی ایک ایک درسگاہ سے، ایک ایک چپہ زمین سے خوشبو آرہی ہے۔ اسی طرح انوارِ نبوت کی خوشبو آرہی ہے۔ اسی طرح قرآنِ حکیم کی ہر قسم کی تعلیمات کی جس طرح کہ ابھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب فرما رہے تھے کہ یہاں مجھے خوشبو آرہی ہے علوم نبوت کی اور علوم قرآن کی اور یہ مشاہدہ تقریباً تواتر اختیار کر گیا ہے تو اس موقعے پر یہاں مجھ جیسے ایک ادنیٰ طالب علم کے لئے کوئی تقریر کا موقع تو ہے نہیں کیونکہ آپ حضرات عالم ہیں، فاضل ہیں اساتذہ سے استفادہ کرتے ہیں، میں آپ کی معلومات میں کیا اضافہ کر سکتا ہوں؟ لیکن دارالعلوم دیوبند کے متعلق ایک جملہ مجھے یاد آ رہا ہے افغانستان کے سفیر سردار نجیب اللہ کا۔ وہ تقسیم ہند کے بعد سفارت کے فرائض انجام دیتے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں ایک دفعہ حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کیا (میں نے "الجمعیۃ" میں خود پڑھا)۔ انہوں نے فرمایا کہ "خانۂ کعبہ ما را قبلۂ عبادت است و دارالعلوم ما را قبلۂ علم است" کہنے کو تو یہ لفظ بہت معمولی سا ہے مگر اس میں بہت بڑی ایک حقیقت پنہاں ہے۔ یعنی خانۂ کعبہ سب کے لئے قبلۂ عبادت ہے۔ مسلمان دنیا کے کسی خطے میں ہوں ادھر ہی سجدہ کرتے ہیں اسی رخ پر نماز پڑھتے ہیں لیکن سردار نجیب اللہ نے دارالعلوم دیوبند کے ساتھ جو عقیدت اہل افغانستان کو ہے، افغان قوم کو ہے اس کا اظہار انہوں نے دو لفظوں میں کیا کہ "خانۂ کعبہ ما را قبلۂ عبادت است و دارالعلوم ما را قبلۂ علم"۔

یہ خطۂ مسنونہ اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کا مسترشدین کا، وہاں سے استفادہ کرنے والوں کا ہی خطۂ سرزمین ہے لیکن اب اس کے ساتھ جو اسے مناسبت تامّہ ہے اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم خود اسے دارالعلوم دیوبند کا ایک حصہ قرار دے چکے ہیں اور اب ہمارے اکابر واقعی اسے تسلیم کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے تمام افغانوں کو......... اور اس سرحدی علاقے کو اور اس سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ پاکستان کے دوسرے عوام کو بھی استفادے کی توفیق عطا فرمائیں اور اب جبکہ "الحق" یہاں سے نکلا ہے وہ پاکستان کے کونے کونے تک جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی دینی خدمت اسی طرح لے جس طرح کہ "خدام الدین" سے لی ہے اور علمی خدمت کی جو کمی ہے "برہان" اور "معارف" کی جو کمی محسوس کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ اس خدمت کو بھی اس کے ذریعے اور زیادہ بڑھ چڑھ کر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور قبولیت سے نوازیں"......

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ آج کا تاریخی دن ہے۔ جس میں حضرت درخواستی یہاں تشریف فرما ہیں۔ خود مجھ جیسے ناچیز کو یہاں حاضر ہونے کا شوق رہتا ہے۔ آج اللہ نے اس کی توفیق دی اور اساتذہ اور بزرگوں، طلبہ اور اپنی برادری سے مل کر جتنی مجھے مسرت ہوتی ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ملاقاتوں سے مجھے زیادہ سے زیادہ مواقع عطا فرمائے۔ بلکہ یہاں آکے زیادہ سے زیادہ رہنے کا مجھے شوق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائیں اور مزید استفادے کی روحانی لذت اور روحانی سکون حاصل کرنے کی اللہ تعالیٰ مجھے توفیق ارزانی فرمائیں مجھے یہاں جو آسودگی ہوتی ہے۔ وہ لاہور میں نہیں ہوتی۔ اور دوسرے مقامات پہ نہیں ہوتی۔ مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اور یہاں آکر اپنے اساتذہ کی زیارت کر کے سارے وہ اپنے بزرگ یاد آ جاتے ہیں۔ جن سے انہوں نے خوشہ چینی کی ہے جن سے انہوں نے تربیت اور تعلیم حاصل کی ہے۔ اُن کو دیکھنے کا بھی شرف حاصل ہے۔ ان کی خدمت میں، صحبت میں بیٹھ کر کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور واقعات یاد آتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زندہ رکھا ان کو کہ ان کی صورت دیکھ کر کے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ علم تازہ ہوتا ہے۔ ولولہ بڑھتا ہے۔ شوق اور جذبات متلاطم ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ ان کو، دوسرے اساتذہ کو جہاں جہاں خدمات دینی انجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے عزائم میں برکت عطا فرمائے غیبی امداد سے نوازے۔ تمام مدارس دینیہ کو دنیا داروں کا محتاج نہ بنائے۔ بلکہ اپنی عنایات سے اور غیبی امداد سے اس طرح ان کو فارغ البال کرے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ان کو ضرورت ہی پیش نہ آئے۔"

مجموعۂ تفسیرِ آیاتِ قرآنیہ

از امام اہلسنّت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ۔

حضرت امام اہلسنّت لکھنویؒ کی عظیم شخصیّت سے برصغیر کے علمی اور دینی حلقے عموماً بے خبر نہیں آپ کی ہستی قریباً نصف صدی تک اہل ایمان کے قلوب کو گرماتی اور اذہان کو چمکاتی رہی آپ نے اپنی پوری زندگی حمایتِ حق، تحفظ ناموس اصحابِؓ رسُول اور مدافعت عن الصحابہؓ کے لئے وقف کر دی، قسّام ازل نے آپ کی زبان و قلم کو اظہار و بیان کی صلاحیّت و استعداد سے بہرہ وافر عطاء فرمایا جہاں آپ نے اپنی شائستہ سنجیدہ، پُرمغز، مدلّل، اور مُسکت تقریروں سے ڈیرہ غازی خاں سے لیکر کلکتہ اور پشاور سے بمبئی تک اہل اسلام کو مستفید فرمایا وہاں اپنے کلکِ گوہر بار سے برصغیر بلکہ بیرونِ برصغیر افریقہ وغیرہ ممالک اسلامیہ کے اہل ایمان کو بھی مستفیض فرمایا۔ آپ علم وعرفان کے بحرِ ذخّار و موّاج کے شناور تھے، آپ کے علم میں عمق تھا، رسوخ تھا تبحر تھا، آپ اپنے عصر و عہد کے علماء متبحرین و راسخین کی صفِّ اولیٰ میں ممتاز مرتبہ و مقام کے مالک تھے۔

آپ نے قرآنِ کریم کی ان آیات کریمہ کی تفسیر قلمبند فرمائی جن سے صحابہ کرامؓ کی صداقتِ ایمانی، حضرات مہاجرین و انصار کے فضائل و مناقب اور خصُوصاً خلفاء ثلاثہ کی خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ اور ان کی عظمت رُوحانی کا علم و اظہار ہوتا ہے۔

آج پاکستان میں یہ ایمان افروز تفسیری رسائل دستیاب نہیں ہو رہے تھے ان کی افادیّت کے پیشِ نظر انہیں یکجا کتابی شکل میں "ادارۂ دارالتصنیف و الاشاعت لاہور" شائع کر رہا ہے کتابت ہوچکی ہے اہلِ ذوق حضرات آج ہی خط لکھ کر آرڈر بک کرالیں۔ کتاب قریباً سات سو صفحات پر مشتمل ہوگی۔ قیمت چھ روپے جو حضرات پیشگی ارسال کریں گے انہیں ایک روپیہ رعایت کے علاوہ ڈاک خرچ بھی معاف۔ لہٰذا آج ہی پیشگی ہدیہ ارسال فرما کر اس خصُوصی رعایت سے فائدہ اٹھائیں۔

منگوانے کا پتہ:۔ دارالتصنیف و الاشاعت ۴۸ اربی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

بقیہ:۔ درس قرآن

بڑے ہوں، مرد ہوں کہ عورتیں ہوں، جب ماں باپ مر جائیں تو مِمَّا تَرَكَ جو کچھ بھی وہ چھوڑ کر مریں گے۔ اُس میں ان کا حصہ ہوگا۔

ہمارا اپنا یہ حال ہے (اللہ تعالیٰ میرے آپ کے سب کے حالوں پر رحم و کرم فرمائے۔) بھائی مسلمان قرآن کا پورا رکوع کھا گیا ہے۔ وراثت کا مسئلہ —— نہ مولوی دیتے ہیں۔ نہ پیر دیتے ہیں۔ اور امیر لوگ تو خیر دیتے ہی نہیں۔ ان کے ہاں تو اپنا معاشی نظام ہی الگ ہے۔ ہم مولوی نہیں دیتے اپنی بہنوں کا حصہ، ہم پیر نہیں دیتے۔ اپنی بہنوں کا حصہ۔ تو یتیموں کا مال کھایا کہ نہ کھایا؟

بقیہ - ارشادات مجالس ذکر

تا ہوں۔ بس گھوڑے پر گئے۔ چار میل کا فاصلہ تھا۔ راستہ میں جنگل بھی تھا۔ پیغام دے کر آ گئے۔ تو حضرت بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ فرمایا بیٹا میں تیرا ہی انتظار کر رہا تھا۔



خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

بقیہ : اداریہ

کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی وجہ سے لاکھوں مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں — میلاد النبی کے موقع پر چمٹے، ڈھولک اور فحش انداز میں بہروپ بھر کر اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ کوئی مسلمان ان حرکات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی تمامتر ذمہ داری جلوس کے منتظمین پر عاید ہوتی ہے۔ اگر جلوس کے منتظمین نظم و ضبط نہیں رکھ سکتے، ان باتوں کی اصلاح نہیں کر سکتے اور اس دن کا تقدس برقرار رکھوانے میں ناکام ہیں تو آئندہ جلوس بند کر دیا جائے۔"

علاوہ ازیں مشترکہ بیان میں بیت اللہ اور گنبد خضرا کے ماڈل بنانے پر بھی تنقید کی گئی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ بریلوی علمائے کرام کے اس مشترکہ بیان کو جو مختلف اخبارات میں چھپا ہے پڑھ کر جلوس کا ہر منتظم اپنی جگہ یہ شعر ضرور گنگنا رہا ہوگا ؎

وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

پہلے انہی علمائے کرام نے جلوس کی ترغیب دی، اسراف و تبذیر کے جواز میں فتوے گھڑے اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیۂ عقیدت و محبت پیش کرنے کے خلافِ شریعت طریقے وضع کئے اور لوگوں کو جی کھول کر نمائش و آرائش میں سرمایہ لگانے کی تلقین کی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہی اخلاق سوز حرکات اور بے دینی کے مظاہرے ہو سکتے تھے — آخر کچھ تو سوچئے کہ بے تحاشا چراغاں کرنا، عمارتوں کی بے سود آرائش و زیبائش، جلوس کی ہاؤ ہو، گھوڑوں اور ڈاچیوں پر سوار ہو کر گلی کوچوں کی گشت، بیل گاڑیوں اور دیگر سواریوں میں بیٹھ کر بازاروں میں مارے مارے پھرنا اور بے پناہ ریکارڈنگ کس شریعت کے اجزائے ترکیبی ہیں؟ قوالوں، میراثیوں اور ڈوموں کی ٹولیاں کون سے اسلام کی ترجمانی کرتی ہیں اور مرد و زن کا بے محابا اختلاط کس ہادی کی تعلیم کا حصہ ہیں؟

کیا عہدِ رسالت اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں ان چیزوں کی کوئی نظیر ملتی ہے؟ کوئی بتا سکتا ہے کہ خیر القرون میں مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے مقدس گلی کوچوں میں کبھی بھی کسی موقع پر یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت پر روزمرہ کے معمول سے زیادہ ایک دِیا بھی روشن کیا گیا ہو؟ کوئی جلوس نکلا یا تقریب اس بارے میں منعقد ہوئی؟ کہیں محراب بنائے اور مکانات سجائے گئے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر جان لیجئے۔ کہ یہ راہ جس پر آپ گامزن ہیں، اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہرگز نہیں ہے اور آپ اس پر چل کر کبھی کامیاب و بامراد نہیں ہو سکتے ؎

ترسم کہ بکعبہ نرسی اے اعرابی
کیں راہ کہ تو مے روی بہ ترکستان است

پھر اس سال جلوس میں جو ناشائستہ، اخلاق سوز اور بے حیائی کی حرکات ہوئی ہیں۔ ان کو دیکھ کر کوئی بھی مسلمان خون کے آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تقریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے کی ہو۔ اور اس میں ٹوسٹ ناچ کیا جائے، اجلاس دیکھنے والی عورتوں پر پٹاخے چھوڑ کر چھیڑ چھاڑ کی جائے غنڈہ گردی کے تمام حربے آزمائے جائیں اور فحش فلمی گانوں کے ریکارڈ بجا کر بے حیائی کا مظاہرہ کیا جائے ؎

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

ہمیں خوشی ہے کہ بریلوی علماء کرام نے بھی ان اخلاق سوز حرکات کی مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ اگر ان حرکات کو نہ روکا جا سکے تو پھر جلاس کو ہی سرے سے بند کر دینا چاہیئے — ہم یہاں ان بزرگوں کی خدمت میں یہ درخواست کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جس رسم کو خود بند کیا یا روکا جا سکے وہ بہر حال اسلام کا جزو نہیں ہو سکتی۔ اسلام تو ناقابل تغیّر و تبدّل ہے۔ اس میں ترمیم و اضافے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور اگر جلوس کو بند کر دینے کا اختیار خود علماء کرام کو ہے تو اس سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دین میں اضافہ ہے اور اس کا ارتکاب بدعت کی تعریف میں آئے گا۔ لہذا اس رسم کو فوراً موقوف کر دینا چاہیئے۔ یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے اور اسی کی ہم کو پیروی کرنی چاہیئے — مزید براں حالات و واقعات نے بھی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اس کی وجہ سے مفاسد میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اس لئے وقت کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہمیں اسراف و تبذیر کی اس نمائش سے دستکش ہو جانا چاہیئے اور قوم کے سرمایے کو کسی مفید دینی مقصد کے لئے استعمال کرنے کی تلقین کرنی چاہیئے۔ وما علینا الا البلاغ —

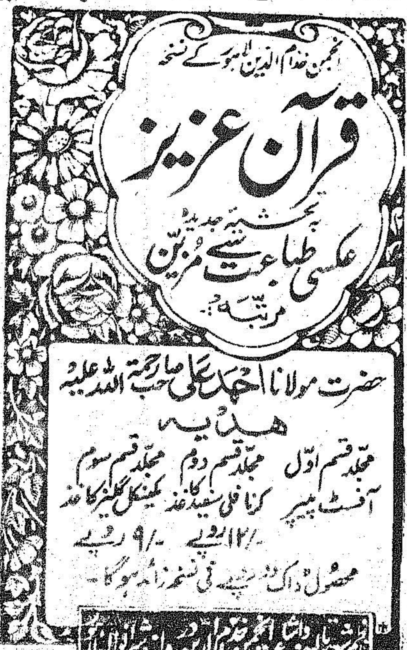
بقیہ : مجلس ذکر

شیطان ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو نیک بننے اور دوسروں کو نیک بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ارشادِ نبویؐ ہے۔ کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ وہاں اللہ کا ذکر و عبادت کرتے رہا کرو۔ اپنی زبان کو ذکر اللہ سے ہر وقت تر رکھو۔

جب تک ہم قول و فعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو زندگی کا جزو نہیں بناتے۔ اس وقت تک ہمارا ایمان کامل نہیں ہم سچے کھرے مسلمان کہلانے کے حقدار نہیں — ہمارا فرض ہے کہ ہم خود دینی تعلیمات سیکھیں، بچّوں کو بھی سکھائیں — خود ذکر اللہ کریں۔ گھروں میں بچّوں سے ذکر کروائیں۔ کیونکہ ذکر اللہ دل کی ترقی کا راز ہے اور روح کی تازگی کا سبب ہے۔ ذکر اللہ نہ کرنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور صحیح معنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔



بقیہ: تاریخ اسلام کے چند اوراق

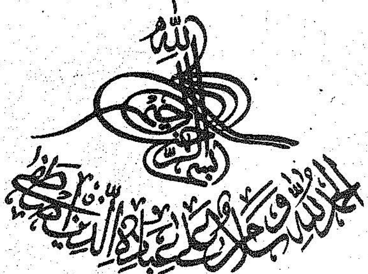
طرح اونٹ کی ران اونٹ سے جُدا کی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ اِس ناجائز اور مخفی اشارے کو سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ قبول نہ کرو۔ کیونکہ یہ رشوت ہے۔

عدالت میں: قاضی شریح مسندِ عدالت پر رونق افروز تھے۔ کہ ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ اشعث بن قیس ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ یہ بزرگ قاضی شریح کے شیخ تھے۔ اس لئے آپ نے اپنے معزز مہمان کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور انہیں اپنے پاس مسند پر جگہ دی۔ دونوں بزرگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کہ اتنے میں ایک فریادی آیا اور اس نے اشعث بن قیس کے خلاف استغاثہ دائر کیا۔ اور داد رسی کا طالب ہوا عدالت کے منشی نے استغاثہ قاضی کے سامنے پیش کیا۔ جیسے پڑھتے ہی ان کے تیور بدل گئے۔ اور انہوں نے اپنے شیخ سے کہا۔

"آپ یہاں سے اٹھ کر مدعی کے پاس جا کر کھڑے ہو جائیں" اشعث یہ بے رخی اور روکھا پن دیکھ کر حیران رہ گئے اور بولے۔ "آپ اطمینان رکھیئے۔ میں یہیں سے مسائل کا جواب دے دوں گا۔ مجھے دعویٰ کی تفصیل تو بتا دیجئے" قاضی شریح نے ترشی سے حکم دیا" اب آپ مدعا علیہ کی حیثیت میں ہیں۔ اگر آپ مدعی کے پاس جا کر کھڑے نہ ہوئے۔ تو میں کسی کو حکم دوں گا۔ کہ وہ آپ کو پکڑ کر اٹھا دے" اشعث چپ چاپ اٹھے اور مدعی کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ تب مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی۔

ایک مثال: سسلی کے جزیرہ پر صدیوں تک اسلامی پرچم لہراتا رہا ہے۔ جب یہاں اسلامی حکومت تھی۔ تو ابوعمر سوسوی کو قاضی القضاۃ (چیف جج) بنا کر بھیجا گیا۔ ابوعمر بہت بڑے عالم خدا ترس، خلیق ملنسار اور قومی خدمت گذار تھے۔ انہیں رخصت کرنے کے لئے ہزاروں آدمی بندرگاہ پر آئے۔ جب ابوعمر نے تختۂ جہاز پر قدم رکھا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا" بھائیو! دیکھ لو! میرے پاس اس وقت معمولی بستر کپڑوں کا تھیلہ، کتابوں کا ایک بنڈل اور ایک حبشی خادمہ ہے۔ وہاں انشاء اللہ سادہ زندگی گزاروں گا۔ اور عوام کی خدمت جو میرے سپرد ہوئی ہے۔ اس کو حسن وخوبی سے انجام دوں گا۔

سسلی کے لوگ ان کی سادہ زندگی اور دو ٹوک فیصلوں سے بہت متاثر ہوئے رشوت اور سفارش کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ظالم کوتاہ دست ہو گئے۔ کیونکہ ہر ایک مظلوم آسانی سے انصاف حاصل کر سکتا تھا۔ منصفانہ فیصلوں سے امن و فراغت کے راستے کھل گئے۔ ابوعمر کو سسلی آنے کے بعد بیماری نے آن گھیرا۔ اور آپ بسلسل بیماری کی وجہ سے اپنے وطن واپس آنے پر مجبور ہو گئے۔ جب وہ روانہ ہونے لگے۔ تو سسلی کے لوگ ان کی صحت کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ جب وطن پہنچے تو استقبال کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا۔ آپ نے اِن سب کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا" بھائیو۔ دیکھ لو۔ جو کچھ لے کر گیا تھا۔ وہی لے آیا ہوں۔ میں نے وہاں خدمت کی ہے۔ مال جمع نہیں کیا۔



بچوں کا صفحہ

تاریخِ اسلام کے چند اوراق

تصوّر حسین، بورسٹل سکول بہاولپور

اسلامی عدالت

اسلام میں صیغۂ قضا (عدالت) عہدِ نبوت ہی میں قائم ہو گیا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو یمن کا قاضی مقرر فرما کر بھیجا تھا تو عدالت کے آئین و اصول بھی اجمالاً بتا دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے خلافت کے دَور میں اس صیغہ کو اور بھی مستحکم کر دیا اور مستقل طور پر قاضی مقرر کر کے اُن کی تنخواہیں مقرر کیں۔ اس لحاظ سے صیغۂ عدالت باضابطہ طور پر عہدِ فاروقی کی یادگار ہے۔ اور انہی کے دَورِ خلافت میں یہ صیغہ عوام میں انصاف قائم کرنے کا موجب ثابت ہوا۔

ذمّہ داری

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص قاضی بنا دیا گیا۔ وہ بغیر چھُری کے ذبح کر دیا گیا —— اس حدیث کی بناء پر بعض صحابہ کرام جو بہت زیادہ محتاط تھے۔ وہ سرے سے عہدۂ قضاۃ ہی کو قبول نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قاضی مقرر کرنا چاہا۔ تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن جن صحابہ کو اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار نہ تھا۔ وہ بھی شدت کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے۔ حضرت ابوالدرداؓ شام کے قاضی تھے۔ ایک بار انہوں نے حضرت سلمان فارسیؓ کو لکھا کہ مقدس سرزمین میں تشریف لایئے۔ لیکن حضرت سلمانؓ نے جواب میں لکھا۔ کہ زمین کسی کو مقدس نہیں بنا سکتی۔ انسان کو صرف اس کا عمل مقدس بناتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم طبیب (قاضی) مقرر کیے گئے ہو۔ اگر لوگ تم سے شفایاب ہوں تو کیا کہنا ورنہ اگر عطائی طبیب ہو تو کسی انسان کو مار کر دوزخ میں داخل نہ ہونا۔ حضرت ابوالدرداءؓ پر اس خط کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ اور وہ فیصلہ دینے میں بہت زیادہ محتاط ہو گئے۔

انصاف کا تقاضا

ابی بن کعب نے حضرت زید بن حارثؓ کی عدالت میں حضرت امیرالمومنین عمر فاروقؓ پر مقدمہ دائر کر دیا۔ عدالت کی طرف سے طلبی ہوئی۔ جب حضرت عمرؓ عدالت میں حاضر ہوئے تو حضرت زید بن حارثؓ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا۔ زید! یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ جب تک عمر اور ایک عام آدمی تمہاری نظر میں برابر نہ ہوں۔ تم قاضی کے عہدہ کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔

●

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ہاں ایک شخص آیا اور انہوں نے اس کو کئی دنوں تک مہمان رکھا۔ لیکن ایک روز جب وہ فریقِ مقدمہ بن کر اُن کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا۔ اب آپ تشریف لے جایئے۔ ہم فریق کو صرف فریق کے سامنے ٹھہرا سکتے ہیں۔

●

ایک عیسائی نے خلیفہ عبدالملک کے بیٹے ہشام پر دعوےٰ کیا۔ جب مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاضر ہوئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دونوں کو برابر کھڑا کر دیا۔ ہشام کے ذہن میں حکمرانی کا نشہ باقی تھا۔ اس نے اس میں اپنی بے عزتی محسوس کی اور غصہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ حالت دیکھی تو ڈانٹ کر کہا:

”خبردار! مدعی کے سامنے کھڑے ہو۔ اسلامی عدالت کی نظر میں ایک بادشاہ کا بیٹا اور عیسائی برابر ہیں۔

محمد بن ابی عامر قرطبہ سپین کا گورنر تھا۔ اس کے بیٹے نے اپنے باپ کی گورنری کے گھمنڈ میں ایک بچے کو چند بَید مارے۔ یہ شکایت گورنر تک پہنچی۔ اس نے بیٹے کو بھری عدالت میں طلب کیا اور بَید مارنے والے کو حکم دیا کہ اتنے ہی بَید ابھی سب کے سامنے اس کے بیٹے کو اس زور سے لگائے جائیں کہ دوسروں کے لئے عبرت ہو —— حکم کی تعمیل کی گئی اور نازپروردہ بچہ تاب نہ لا کر وہیں مر گیا۔ فارغ ہو کر وہ گھر گیا تو لاش سے لپٹ کر خوب رویا۔ اس کی ماں نے روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ خود ہی سزا دی ہے اب کس لئے روتے ہو؟ اس نے کہا۔ مَیں نے یہ سزا بحیثیت حاکم دی۔ وہ میرا فرض تھا۔ اب باپ کی حیثیت سے افسوس اور غم ہے تم بھی صبر کرو۔ حاکم کی نظر میں سب برابر ہونے چاہئیں۔ جو اپنے متعلقین کے ساتھ رعایت روا رکھے گا۔ وہ خدا کے نزدیک کیا منہ دکھلائے گا۔

رشوت ستانی کا سدِّباب

حضرت عمرؓ نے جب صیغۂ عدالت قائم کیا تو رشوت ستانی کے انسداد کے لئے سخت بندشیں قائم کیں اور تمام حکام کو ایک حکمنامہ بھیجا کہ انصاف میں تمام لوگوں کو برابر سمجھو۔ قریب و بعید میں امتیاز نہ کرو۔ اور رشوت سے بچو۔“ اس کے ساتھ ہی وہ بزرگ جو قاضی کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز تھے۔ ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولت مند نہ ہو وہ قاضی مقرر نہ کیا جائے۔ اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا۔ اور معزز آدمی کے خلاف فیصلہ دینے میں اس پر کسی کا رعب اثر نہیں کرے گا۔ چنانچہ جب قاضی شریح کو قضاۃ کے عہدے پر مامور کیا تو فرمایا۔ ”نہ کچھ خریدو، نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو۔“ ہدیہ کی طرف ایک واقعہ سے ان کی توجہ مبذول ہوئی۔ ایک شخص ہر سال حضرت عمرؓ کی خدمت میں اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وُہ فریقِ مقدمہ ہو کر دربارِ خلافت میں حاضر ہوا اور کہا۔ اے امیرالمومنین! ہمارے مقدمہ کا ایسا دو ٹوک فیصلہ کیجئے۔ جس

(باقی صد ۱۸ پر)

ٹیلیفون ۶۷۵۳۵

رجسٹرڈ ایل
نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

چیف ایڈیٹر
عبید اللہ انور

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/16321 مورخہ ۳ر مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C 236-2281 مورخہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۵۶ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری 39/9/767-2-9 DD مورخہ ۲۴- اگست ۱۹۶۴ء

ایجنٹ حضرات اور قارئین کرام "ہفتہ وار خدام الدین" کی فوری توجہ کی ضرورت

ایجنٹ حضراتِ "ہفتہ وار خدام الدین" کی طرف سے بلوں کی ادائیگی میں تاخیر ادارہ کے لئے بڑی پریشانی کا موجب بنی ہوئی ہے۔ ایجنٹ حضرات کو بار بار اس تاخیر کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے لیکن بالکل بے سود۔ سوائے چند ایک حضرات کے باقی صاحبان بلوں کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جو کچھ ادا کرتے بھی ہیں وہ رقم ان کے بل کی مجموعی رقم کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے پرچہ کی کتابت، طباعت اور سٹاف وغیرہ کی تنخواہ کا انتظام کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے اور یہ مالی مشکلات رسالہ کی اشاعت میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ کیا ایجنٹ حضرات نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ بل ماہ بماہ وقت پر وصول نہ ہونے کی صورت میں رسالہ کی اشاعت کے اخراجات کس طرح پورے کئے جائیں؟

ایجنٹ حضرات اور قارئینِ کرام پر بخوبی واضح ہے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہفتہ وار خدام الدین محض قال اللہ وقال الرسول کی آواز عام کرنے کی غرض سے شائع کرانا شروع کیا تھا کوئی تجارتی غرض یا دنیوی نفع اس سے مقصود نہ تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کی پوری رعایت رکھی تھی کہ خواص وعوام یکساں طور پر اس سے استفادہ کر سکیں چنانچہ اس کی قیمت صرف چار آنے تجویز فرمائی تھی۔ یہ قیمت ایجنٹوں کو کمیشن ادا کرنے کے بعد بصد مشکل اصل لاگت کو پورا کرتی ہے۔ صد افسوس ہے کہ اکثر ایجنٹ حضرات ادارہ کی ان مشکلات کی طرف سے غفلت کوشی سے کام لے رہے ہیں ان کا یہ طرزِ عمل ادارہ کیلئے کئی مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے اور پرچہ انتہائی مشکلات سے دوچار ہے۔ اگر ان کے اس مجرمانہ تغافل کے باعث پرچہ کو نقصان پہنچا تو وہ عند اللہ جواب دہ ہونگے کہ انہوں نے دین کے کام میں روڑا اٹکایا۔

بقایا جات کی ادائیگی کی تاخیر کے لئے بعض ایجنٹ حضرات اکثر یہ شکایت کرتے ہیں کہ قارئین کرام وقت پر ان کی رقوم ادا نہیں کرتے اس لئے قارئین کرام کی خدمت میں بھی ادارہ التماس کرتا ہے کہ اپنے اپنے شہر کے ایجنٹ کی رقم ماہ بماہ چکا دیا کریں تاکہ وہ بل کی رقم ادا کرنے میں کئی کئی ماہ تک خاموش نہ بیٹھے رہیں۔

ان حالات کے پیشِ نظر ادارہ ایجنٹ حضرات سے ایک دفعہ پھر درخواست کرتا ہے کہ اپنے بقایا جات زیادہ سے زیادہ ۳۱ر جولائی ۱۹۶۶ء تک ادا کر دیں تاکہ مالی مشکلات رسالہ کی اشاعت میں رکاوٹ کا باعث نہ بنیں۔ ورنہ یکم اگست ۱۹۶۶ء سے پرچہ کی ترسیل بند کر دی جائے گی اور بقایا جات کی وصولی کے لئے چار و ناچار قانونی کاروائی کرنی پڑیگی۔ امید ہے کہ ایجنٹ حضرات اس مہلت سے فائدہ اٹھائیں گے اور ادارہ کو مالی مشکلات سے نجات دلائیں گے۔ ورنہ ۳۱ر جولائی ۱۹۶۶ء کے بعد ان کے نام رسالہ میں شائع کر دئے جائیں گے۔

★ ——— منیجر ہفت روزہ خدام الدین

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور میں باہتمام عبید اللہ انور پرنٹر اینڈ پبلشر چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع ہوا